

یہ کہ آیت مذکورہ میں انبیاء کا غیر اللہ سے نہ ڈرنا تبلیغ رسالت کے معاملے میں بیان ہوا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف طعنہ زنی کا ایک ایسے کام میں پیش کیا جو بظاہر ایک مذہبی کام تھا، تبلیغ رسالت سے اس کا تعلق نہ تھا۔ پھر جب آیات مذکورہ سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ نکاح بھی عملی تبلیغ رسالت کا ایک جز ہے تو اس کے بعد آپ کو بھی کسی کا خوف طعن و تشنیع مانع عمل نہیں ہوا، اور یہ نکاح عمل میں لایا گیا، اگرچہ بہت سے کفار نے اعتراضات کئے اور آج تک کرتے رہتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ
مُحَمَّدُ بَاب نہیں کسی کا تھا۔ مردوں میں سے لیکن رسول ہو اللہ کا
وَحَاكُمَ النَّبِيُّنَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۱﴾
اور ہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیزوں کا جاننے والا۔

خلاصہ تفسیر

پہلی آیات میں نکاح زینب کا تبلیغ عملی ہونے اور سنت انبیاء ہونے کی حیثیت سے محمود ہونا بتلایا گیا تھا، آگے ان معترضین کا جواب ہی جو اس نکاح کو مذہب سمجھ کر طعنہ زنی کرتے تھے، یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ اولاد نہیں رکھتے، جیسا کہ اس آیت میں عام صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا رِجَالُكُمْ یعنی تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس لئے اپنے خاندان کے افراد میں سے کسی مرد کا باپ ہونا اس سے نسبت قطع کی گئی۔ اس لئے ان خاندان کے لوگوں کی طرف کی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ عام اُمت کے لوگوں کے ساتھ آپ کو ایسی اُتوت حاصل نہیں جو کسی دلیل صحیح سے ان کی مطلق بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہونے کا موجب ہو، لیکن یہاں ایک دوسری قسم کی اُتوت روحانی ضرور حاصل ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول روحانی مرتب ہونے کی وجہ سے اُمت کا روحانی باپ ہوتا ہے، اور اس اُتوت روحانیہ میں اس درجہ کامل ہیں کہ سب رسولوں سے افضل و اکمل

ہیں، چنانچہ آپ سب نبیوں کے ختم ہیں اور جو نبی ایسا ہوگا وہ اُتوت روحانیہ میں سب سے بڑھ کر ہوگا، کیونکہ آپ کی اُتوت روحانیہ کا سلسلہ قیامت تک چلے گا جس کے نتیجے میں آپ کی روحانی اولاد سب زیادہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اُمت کے لئے آپ کی اُتوت جماعتی اور نسبی نہیں ہے، جس سے حرمت نکاح متعلق ہوتی ہے بلکہ اُتوت روحانی ہے۔ اس لئے متنبی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کوئی قابل اعتراض نہیں، بلکہ اس روحانی اُتوت کا تقاضا یہ ہے کہ سب لوگ آپ پر مکمل اعتماد و اعتقاد رکھیں، آپ کے کسی قول و فعل پر شک و شبہ نہ کریں، اور اگر یہ دوسرے ہو کہ یہ نکاح ناجائز تو نہیں تھا، لیکن اگر نہ ہوتا تو بہتر ہوتا کہ لوگوں کو اعتراض اور طعن کا موقع ہی نہ ملتا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے وجود یا عدم کی مصلحت کو خوب جانتا ہے۔

معارف و مسائل

آیت مذکورہ میں ان لوگوں کے خیال کا رد ہے جو اپنی رسم جاہلیت کے مطابق زینب بن حارثہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہتے تھے، اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر طعن کرتے تھے، کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس کے رد کے لئے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے باپ نہیں بلکہ زینب کے باپ حارثہ ہیں، مگر اس میں مبالغہ اور تاکید کے لئے ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ بھی نہیں، تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو یہ طعن دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ اس کا کوئی بیٹا ہے، اور اس کی مطلقہ بیوی آپ کے بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ پر حرام ہے۔

اس مضمون کی بیان کے لئے مختصر الفاظ یہ تھے کہ دَا بَا أَحَدٍ مِّنْكُمْ کہا جاتا، اس کے بجائے قرآن حکیم نے لفظ رِجَال کا اضافہ کر کے اس شبہ کو دور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو چار فرزندوں کے والد ہیں، تین فرزند حضرت خدیجہ سے قاسم، طیب، طاہر ہیں، اور ایک حضرت ماریہ قبطیہ سے ابراہیم، کیونکہ یہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی رجال کی حد میں داخل نہیں ہوا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ قاسم، طیب، طاہر اور طاہر کی وفات ہو گئی تھی، اور ابراہیم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

خالفین کے اعتراض اور طعن کا جواب اسی جملہ سے ہو گیا تھا، مگر آگے دوسرے شبہات کے ازالہ کے لئے فرمایا وَلَیْکِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرْتُ لَیْکِنْ عَرَبِی زَبَانٍ میں اس کام کے لئے آتا ہے کہ پچھلے کلام میں جو کوئی شبہ ہو سکتا تھا اس کو دور کیا جائے۔ یہاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ آپ اُمّت کے مردوں میں کسی کے باپ نہیں تو اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ہر نبی در رسول اپنی اُمّت کا باپ ہوتا ہے، اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کے سبھی مردوں کے بلکہ ہر مرد و عورت کے باپ ہیں آپ سے اُمّت کی نفی گویا نبوت کی نفی ہے۔

اس کا جواب لیکن رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے لفظ سے یہ دیا گیا کہ حقیقی اور نبی باپ ہونا اور چیز ہے جس پر نکاح کے حلال و حرام کے احکام عائد ہوتے ہیں اور بحیثیت نبوت اُمّت کا روحانی باپ ہونا دوسری چیز ہے جس سے یہ احکام متعلق نہیں ہوتے، تو گویا مطلب اس پر ہے چلے کا یہ ہو گیا کہ آپ اُمّت کے مردوں میں سے کسی کے بھی نبی باپ نہیں، لیکن روحانی باپ سب کے ہیں۔

اس میں ایک دوسرے طعن کا جواب بھی ہو گیا، جو بعض مشرکین نے کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اَبْنَزْد یعنی مقطوع النسل ہیں۔ یعنی کوئی زینہ اولاد آپ کی نہیں ہے، جس سے سب چلے، اور آپ کا پیغام آگے بڑھے، چند روز کے بعد ان کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الفاظ مذکور نے یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ نبی اولاد زینہ آپ کی نہیں لیکن آپ کی رسالت و نبوت کے پیغام کو پھیلانے اور قائم رکھنے اور بڑھانے کے لئے نبی اولاد کی ضرورت نہیں، اس کے لئے روحانی اولاد کام کیا کرتی ہو۔ اور چونکہ آپ رسول اللہ ہیں، اور رسول اُمّت کا روحانی باپ ہوتا ہے، اس لئے آپ پر ہی اُمّت کے روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے تم سب کے زیادہ کثیر الاولاد ہیں۔

یہاں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا ذکر آیا، اور اس منصب نبوت میں آپ تمام دوسرے انبیاء سے خاص امتیازی فضیلت رکھتے ہیں تو آگے آپ کی مخصوص شان اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کا فائق ہونا اس لفظ سے واضح کیا گیا وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ، لفظ خاتم میں دو قراءتیں ہیں، امام حسنؑ اور امام علیؑ کی قراءت خاتم بفتح تاء ہے اور دوسرے ائمہ قراءت خاتم بکسر تاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں، اور ہر کے معنی میں بھی

یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں کیونکہ ہر کسی چیز پر بند کرنے کے لئے آخر ہی میں کی جاتی ہے۔ لفظ خاتم بالکسر والفتح دونوں کے دونوں معنی لغت عربی میں تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ قاموس، صحاح، لسان العرب تاج العروس وغیرہ اس لئے تفسیر روح المعانی میں خاتم بمعنی ہر کا حامل بھی دی معنی آخر کے بتلائے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (مُسْمَاً لِّمَا یَخْتَمُّ بِهِ خَاتَمٌ اَوْ لِمَا یُطْبَعُ بِهِ فَتَعْنِیْ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ اَلَّذِیْ یُخْتَمُ النَّبِیُّوْنَ بِہٖ وَ مَا لَہٗ اِخْرَ النَّبِیِّیْنَ۔ یہی مضمون تفسیر بیضاوی اور احمدی میں بھی مذکور ہے، اور امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا یَخْتَمُ النَّبِیُّوْنَ اَتَمَّ نَسَبًا یَخْتَمُّوْنَ بِہٖ، یعنی آپ کو خاتم نبوت اس لئے کہا گیا کہ آپ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کر دیا ہے۔

اور محکم ابن سیدہ میں ہے وَخَاتَمٌ مِّثْلُ مِثْقَلٍ وَخَاتَمَتُہٗ عَاقِبَتُہٗ وَ اِخْرَہٗ یعنی ہر چیز کا خاتم اور خاتمہ اس کے انجام اور آخر کو کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قراءت خواہ بفتح تاء کی لی جائے یا بکسر تاء کی، معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپ ختم کرنے والے ہیں انبیاء کے، یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہو جو تمام کمالات نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جو آخری چیز ہوتا ہے وہی اہل مقصود ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ، یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

انبیاء سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفویٰ کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری اُمّت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں۔ کیوں کہ لفظ

دوسرے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثارِ سلط و خلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے، اور قادیانی دحل کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

آپ کا خاتم نبیین ہونا آخر زما
میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول
کے منافی نہیں

دجال اعظم کو قتل کریں گے، اور اس وقت ہر مگر اسی کو ختم کریں گے، جس کی تفصیل احقر کے رسالہ "التصريح بما تواتر في نزول المسيح" میں مذکور ہے۔

ہر ذاتی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن و سنت کی بے شمار تصویص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص عہدہ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جس کو نبوت عطا ہو چکی ہے اُن کی نبوت سلب ہو جائے گی، یا ان میں سے کوئی اُس عالم میں پھر نہیں آسکتا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی امت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا:-

والمراد بكونه عليه السلام
خاتمهم انقطاع حدوث
وصف النبوة في احد من
الخلقين بعد تحليته عليه السلام
بها في هذه النشأة ولا يعقد
في ذلالت ما اجتم عليه الامّة

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہو کہ وصف نبوت آپ کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیچ

واشتهرت فيه الاخبار ولعلها
بلغت مبلغ التواتر المعنوي و
لحق به الكتب على قول وجب
الايمان به واكف منكره
كافلا مسفة من نزول عيسى
عليه السلام اخر الزمان لآلته
كان نبيا قبل ان يحل نبينا صلى الله

عليه وسلم بالنبوة في هذه الد

اس دعویٰ نبوت نے دعویٰ نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے ایک نئی چال یہ چلی کہ نبوت کی ایک نئی قسم ایجاد کی، جس کا قرآن و سنت میں وجود و ثبوت نہیں اور پھر کہا کہ یہ قسم نبوت کی حکم فسر آئی ختم نبوت کے منافی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس نے نبوت کے مفہوم میں وہ راستہ اختیار کیا جو ہندوؤں و دوسری قوموں میں معروف ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے جنم میں دوسرے کے روپ اختیار ہے، اور پھر یہ کہا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل اتباع کی وجہ سے کاسم رنگ ہو گیا ہو اس کا آنا گویا خود آپ ہی کا آنا ہے، وہ درحقیقت آپ ہی اور بروز ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے دعوے سے عقیدہ ختم نبوت متاثر ہوتا۔

مگر ازل تو خود یہ نوابِ نبوت اسلام میں کہاں سے آئی، اس کا کوئی ثبوت
نہیں۔ اس کے علاوہ مسئلہ ختم نبوت چونکہ عقائدِ اسلامیہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے،
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مختلف عنوانات سے مختلف اوقات میں ایسا
محکم کر دیا ہے کہ کسی تحریف کرنے والے کی تحریف چل نہیں سکتی۔ اس جواب کی پوری
میل تو احقر کی کتاب ختم نبوت ہی میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں چند چیزیں بعد
رت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من
قبلی کمال رجل بنی بیتا

ان مشى ومثل الانبياء من
قبلى كمثل رجل بنى بيتا

فاحسنہ واجملہ الاموضع
لبنتہ من زاویۃ ضجحل
الناس یطوفون بہ ویحییون
لہ ویقولون ہلا و ضعت
ہذہ اللبنتہ وانما خاتم
النبین، رواہ احمد النسا
والترمذی و فی بعض الفاظہ
فکنت اناسا دست موضع
اللبنۃ وحتم فی البیان

ایک مکان بنایا ہوا در اس کو خوب
منظوب اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک
گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ
خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے
کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تحیر
کو پسند کریں مگر یہ کہیں کہ اس
مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی
کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل
ہو جاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ (قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث
میں یہ کہ میں نے اس خالی جگہ کو ترک کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا ہے

اس تیشیل بلخ کا حاصل یہ ہو کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان
انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا
اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو ترک کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرمادی، اب اس میں نہ
کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں
تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری حدیث
ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

كانت بنوا اسرائيل اميل تسوسهم
الانبياء كلما هلك نبي خلفه
فبي وانہ لا نبي بعدی و
سیكون خلفاء فیکثرون
الحدیث

”بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام
خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک
نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا اسی
کے قائم مقام ہو جاتا تھا، اور میرے
بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ
ہوں گے جو بہت ہوں گے“

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں
اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، تو اُمت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟

اس کے متعلق فرمایا کہ آپ کے بعد اُمت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے
ذریعہ سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت
کو پورا کریں گے، اگر نکلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر شرعی نبوت باقی ہوتی،
تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت
باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد
باقی نہیں، اور ہدایت خلیفہ کا کام جو پچھلی اُمتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ
اس اُمت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوعہ ہے:
”لَمْ يَكُنْ مِنْ الْمُسَبَّحَةِ إِلَّا الْمُسَبَّحَةُ“
یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا
بجز مبشرات کے

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ اور ام کریمہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لا يبقى بعدی من النبوة شیء
إلا المبشرات قالوا یا رسول
اللہ وما المبشرات قال الزوا
الصالحۃ یدرأھا المسلم او تری
لہ دلائل فی اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذا
فی الکفر

”میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی
نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے
عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیزیں
ہو؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان غور
دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا کچھ“

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم شرعی یا غیر شرعی
اور بقول مرزا قادیانی علی یار دزدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں، صرف
مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔
اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہو کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرسالۃ والنبوة قد
انقطعت فلا رسول بعدی
ولا نبي، رواہ الترمذی و

”یشک رسالت اور نبوت میرے بعد
منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد کوئی
رسول ہوگا اور نہ نبی“

وقال هذا حديث صحيح

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر شرعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی
بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروہ ہے۔

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دوسو سے زیادہ رسالہ
ختم نبوت میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی
نے جو بقیہ نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اذل تو اسلام میں اس کی
کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ کے واضح طور پر بتلاؤ
کہ آپ کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اس لئے صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس
عقیدہ پر رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں
ہو سکتا، جو دعویٰ کرے وہ کاذب، منکر قرآن اور کافر ہے۔ اور صحابہ کرام کا سب سے
پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسئلہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفہ اذل صدیق
اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اس معاملہ میں رسالہ ختم نبوت
کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل
کئے جاتے ہیں۔

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے:

اخبار اللہ تعالیٰ فی کتابہ و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم فی السنۃ المتواترۃ
عنہ انه لا نبی بعدہ لیعلموا
ان کل من ادعی ہذا المقام
بعدہ فہو کذاب اقا لک
دجال ضال مضل و لہو حرق
و شعب و اوائی بانواع السحر
والطلاسم و النیرنجیات
فکلہا محال و ضلال عند

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث
متواترہ میں خبر دی ہے کہ آپ کے بعد
کوئی نبی نہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ
آپ کے بعد جو شخص اس مقام نبوت
کا دعویٰ کرے وہ کذاب، مفری،
دجال، مگرا، مگرا کرنے والا ہے،
اگرچہ وہ کتنی ہی شعبہ بازی کرے
اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور
نیرنجیات و کھلاؤں کے سب محال اور

اولی الالباب کما اجری اللہ،
سبحانہ علیٰ دین الاسو العنی
بالیمن و ہیلۃ الکذاب
بالیہامۃ من الاحوال لفاصد
والاقوال الباطلۃ ما علمہ کل
ذی لب و فہم و حبی انہما
کاذبان ضالان لعنہما اللہ
تعالیٰ و کذلک کل من ادعی
الی یوم القیمۃ حتی یختموا
بالمسیح الدجال
(ابن کثیر)

اور گراہی ہیں عقل والوں کے نزدیک
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسو دنی (مدعی
نبوت) کے ہاتھ پر یمن میں اور ہیلہ
کذاب (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر سیاہ
میں اس طرح کے حالات فاسدہ
اور بیہودہ اقوال ظاہر کرائے، جن کو
دیکھ کر سن کر عقل و فہم والے نے سمجھ
لیا کہ یہ دونوں کاذب اور گمراہ ہیں،
اللہ ان پر لعنت فرمائے، اسی طرح جو
شخص بھی قیامت تک نبوت کا دعویٰ
کرے وہ کاذب و کافر ہے، یہاں تک کہ

موجبان نبوت کا یہ سلسلہ مسیح دجال پر ختم ہوگا۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں آیت مذکورہ کی تفسیر و حقیقہ
ختم نبوت کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

انّ الامة قہمت بالاجماع من
ہذا اللفظ ومن قرائن احوالہ
انّہ فہم عند ربّی بعدہ ابدًا
و عند مرسل اللہ ابدًا و انّہ
لین فیہ تاویل ولا تخصیص
(الاقتصاد، طبع مصر ۱۳۳۸ھ)

”بیشک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم
النبین اور لاینبی بعدی) سے اور قرائن احوال
ہے باجماع ہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد
ابیشک نہ کوئی نبی ہوگا، اور نہ کوئی
رسول، اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل
چل سکتی ہے نہ تخصیص۔“

اور قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ
نبوت کرنے والے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا
اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں۔

واجبت الامة علی حمل هذا
الکلام علی ظاہرہ وان مفسر
المراد بہ دون تاویل ولا

”امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام
کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر
کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد کر

تخصیص فلا شک فی کفر
ہو لاء الطوائف کلمہا قطعاً
اجماعاً و سماعاً

بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لئے ان
تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں
جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں،

بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔
رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں ائمہ دین اور ہر طبقہ کے اکابر علماء کے بہت سے
اقوال جمع کر دیئے گئے ہیں، اور جو یہاں نقل کئے گئے ہیں ایک مسلمان کے لئے وہ بھی کافی ہیں
واللہ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَتَسْمِعُوا

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد - اور پاکی بولتے رہو کہ

بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ

صبح اور شام - وہی ہر جو رحمت بھیجتا ہو تم پر اور اس کے فرشتے

لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

ناکھ نکالے تم کو اندھروں سے آجالتے میں، اور اے ایمان والو

رَحِيمًا ۝ تَحِيتُھُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَاعْدَ لَهُمْ أَجْرًا

مہربان - دعاہر ان کی جن دن اس ملیں گے سلام ہے، اور تیار رکھا ہوا ان کے واسطے

كَرِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا

نواب عزت کا۔ اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا ہر بتانے والا اور خوش خبری سنانے والا
وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

اور ڈرانے والا، اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ
وَبَشِيرًا لِلْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلْ لِلَّهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الْأَعْلَى ۚ وَاللَّهُ سَرِيعٌ ۚ

اور خوش خبری سنانے والا ایمان والوں کو کہ ان کیلئے ہر خدا کی طرف بڑی بزرگی، اور کہا امت مان
الْكُفْرَيْنَ وَالْمُنَافِقِينَ وَذَمَّ أَذْھَمَ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَفَى بِاللَّهِ كَيْلًا ۝

منکروں کا اور دغا بازوں کا اور چھوڑ دے ان کا ستانا اور بھروسہ نہ کر اللہ پر اور اللہ میں ہر کام بنانے والا

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو تم (احسانات الہیہ کو عموماً اور ایسے اکمل رسل کی بعثت کے احسان
کو خصوصاً یاد کر کے اس کا یہ شکر ادا کر دو کہ) اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور اس میں سب
طاعات آگئیں، اور اس (ذکر و طاعت پر دوام رکھو پس) صبح و شام یعنی علی الدوام
اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتے رہو یعنی دل سے بھی اور اعضا سے بھی، اور زبان سے بھی
پس جملہ اولیٰ سے عموم اعمال و طاعات کا اور جملہ ثانیہ میں عموم اذمنہ و اوقات کا حاصل ہو گیا
یعنی نہ تو ایسا کر دو کہ کوئی حکم بجالائے اور کوئی نہ بجالائے، اور نہ ایسا کر دو کہ کسی دن کوئی کام
کر دیا کسی دن نہ کیا، اور جیسا اس نے تم پر بہت احسان کئے ہیں اور آئندہ بھی کرتا رہتا ہے
پس بالفردۃ مسبحی ذکر و شکر ہے، چنانچہ وہ (ایسا رحیم) ہو کہ وہ (خود بھی) اور اس
کے حکم سے) اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں (اس کا رحمت بھیجتا تو رحمت
کرنا ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجتا رحمت کی دعا کرنا ہے کما قال اَلَّذِیْنَ یُحْمَلُونَ الْعَرْشُ
رَالِی قَوْلِهِ وَرَقِیْمَ السَّیِّئَاتِ، اور یہ رحمت بھیجتا اس لئے ہے تاکہ حق تعالیٰ (بہرکت اس
رحمت کے) تم کو درجہاں و منالہ کی) تلو بھیجوں سے (علم اور ہدایت کے) نور کی
طرف لے آئے (یعنی خدائی رحمت اور دعا و ملائکہ کی برکت ہو کہ تم کو علم اور ہدایت کی
توفیق اور اس پر ثبات حاصل ہے کہ یہ ہر وقت متحدہ رہتی رہتی ہے، اور اس سے ثابت
ہوا کہ) اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے (اور یہ رحمت تو مؤمنین کے حال پر دنیا
میں ہو اور آخرت میں بھی وہ مورد رحمت ہوں گے، چنانچہ) وہ جس روز اللہ سے ملیں گے
تو ان کو جو سلام ہو گا وہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے ارشاد فرمائے گا، اَسْلَمْتُ عَنْکُمْ
کہ اے اللہ خود سلام ہی علامت اعزاز کی ہے، پھر جب کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو
کما قال سَلَامٌ ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ رَبِّ رَحِیمٍ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اہل جنت سے
فرمائے گا اَسْلَمْتُ عَنْکُمْ رواہ ابن ماجہ وغیرہ اور یہ سلام تو روحانی انعام ہے جس کا حاصل
اکرام ہے، اور (آجے جسانی انعام کی خبر لیجنا ان عام ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان (مؤمنین
کے لئے) عہدہ صلہ (جنت میں) تیار کر رکھا، کہ ان کے جانے کی دیر ہے، یہ گئے اور وہ
ملا آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو کہ اے نبی! رآپ مشتہ جذ مفرضین کے
طعن سے مخموم نہ ہوں، اگر یہ سفہاء آپ کو نہ جائیں تو کیا ہوا ہم نے تو ان بڑی بڑی

نعمتوں اور رحمتوں کا جو کہ خطاب مؤمنین میں مذکور ہوئی ہیں، آپ ہی کو واسطہ بنایا ہو اور آپ کے مخالفین کی سزا کے لئے خود آپ کا بیان کافی قرار دیا گیا ہو کہ ان کے مقابلہ میں آپ سے ثبوت نہ لیا جائے گا، پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ محبوب و مقبول ہیں، چنانچہ ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ قیامت کے روز امت کے اعتبار سے خود سرکاری گواہ ہوں گے کہ آپ کے بیان کے موافق ان کا فیصلہ ہوگا کما قال: **إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا** اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کا اکرام اور علو شان ہو جس کا کیا سے روز ظہور ہوگا اور دنیا میں جو آپ کی صفات کمال ظاہر ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ (مؤمنین سے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور دعاء طور پر سب کی اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں (اور یہ بشیر و نذیر و انداز و دعوت تبلیغی) اور (یوں خود اپنی ذات و صفات و کمالات و عبادات و عادات و غیرہ مجموعی حالات کے اعتبار سے) آپ (سراپا نمونہ ہدایت ہونے میں بمنزلہ ایک روشن چراغ کے) ہیں کہ آپ کی ہر حالت طالبانِ اتوار کے لئے سرمایۂ ہدایت ہے، پس قیامت میں ان مؤمنین پر جو کچھ رحمت ہوگی وہ آپ ہی کی ان صفات بشیر و نذیر و داعی و سراج منیر کے واسطے ہے۔ پس آپ اس غم و پریشانی کو الگ کیجئے اور اپنے منصبی کام میں لگئے یعنی مؤمنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور (اسی طرح کافروں اور منافقوں کو ڈراتے رہئے جس کو ایک خاص عنعان سے تعبیر کیا ہو وہ یہ کہ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو امکان ہی نہ تھا کہ آپ کفار و منافقین کے کہنے میں آکر تبلیغ و دعوت چھوڑ دیں، لیکن لوگوں کی ملعون و تبلیغ سے بچنے کے لئے ممکن تھا کہ آپ اس علی تبلیغ میں جو نکاحِ زمینجے کے ذریعہ مقصود تھی کوئی سستی کر سں اس کو کفار کا کہنا ماننے سے تعبیر کر دیا گیا، اور ان کافروں اور منافقوں کی طرف سے جو کوئی، ایذا پہنچے (جیسا اس نکاح میں کہ تبلیغ فعلی ہو ایذا قولی پہنچی) اس کا خیال نہ کیجئے اور (فعلی ایذا کا بھی اندیشہ نہ کیجئے، اور اگر اس کا دوسرہ آئے تو) اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہے، وہ آپ کو ہر ضرر سے بچائے گا اور اگر تبلیغ میں کوئی ظاہری ضرر پہنچتا ہے وہ باطل نفع ہوتا ہو، وہ وعدہ کفایت و وکالت کے منافی نہیں۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے ہدایات کے ضمن میں حضرت زینا و زینبؓ کا قصہ اور اس کی مناسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان ہوا ہے، آگے بھی آپ کی صفات کمال کا بیان آنے والا ہے۔ اور آپ کی ذات و صفات سب مسلمانوں کے لئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہیں، ان کا شکر ادا کرنے کے لئے آیت مذکورہ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا گیا، ذکر اللہ ایسی عبادت ہو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا**، حضرت جس کے لئے کوئی شرط نہیں دلائی، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسی عبادت عائد نہیں کی جس کی کوئی خاص حد مقرر نہ ہو، نماز کی بکثرت کرنے کا حکم ہے۔ پانچ وقت کی اور ہر نماز کے متعین اور مقرر ہیں، حج بھی خاص مقام پر خاص اعمال مقررہ کرنے کا نام ہے، بڑے بھی سال میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتی ہے، مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ نہ اس کی کوئی حد اور تعداد متعین ہو، نہ کوئی خاص وقت اور زمانہ مقرر ہو، نہ اس کے لئے کوئی خاص ہیئت قیام یا نشست کی مقرر ہو، نہ اس کے لئے ظاہر اور باطن ہونا شرط ہے۔ ہر وقت ہر حال میں ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی میں ہو یا دریا میں، رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کا حکم ہے۔ اسی لئے اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں، بجز اس کے عقل و حواس ہی نہ رہیں بے ہوش ہو جائے، اس کے علاوہ دوسری عبادات میں بیماری اور مجبوری کے حالات میں انسان کو معدودہ قرار دے کر عبادت میں اختصار اور کمی یا معافی کی رخصتیں بھی ہیں، مگر ذکر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی۔ اس لئے اس کے ترک میں کسی حال کوئی عذر مسموع بھی نہیں، اور اس کے فضائل و برکات بھی بیشمار ہیں امام احمد نے حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلا دوں جو تمہارے سب اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہے، اور تمہارے درجات بلند کرنے والی ہو، اور تمہارے لئے سونے چاندی کے صدقہ و خیرات سے بہتر ہو اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو اور تمہارا دشمن سے

مقابلہ ہوئے ان کی گردنیں مارو وہ تمھاری صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیز اور کونسا عمل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ذَكَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ** یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد (ابن کثیر)

نیز امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے:

<p>”یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا نایاب رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں“</p>	<p>اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَعْظَمَ شُكْرًا وَ اَتْمَعَ نَصِيحَةً وَّ اَكْثَرَ ذِكْرًا وَّ اَحْفَظَ وَصِيَّتَكَ (ابن کثیر)</p>
--	---

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال و فرائض و واجبات تو بہت ہیں، آپ مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلا دیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کر لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

<p>”یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہتی چاہئے“</p>	<p>لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا يَنْكِبُ اللّٰهَ تَعَالٰى (مسند احمد، ابن کثیر)</p>
---	--

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

<p>”یعنی تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے نہیں دیوانہ کہنے لگیں“</p>	<p>اَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى حَتّٰى يَتَوَلَّوْا مَجْمُوْعَتًا (ابن کثیر از مسند)</p>
--	---

اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے تو قیامت کے روز یہ مجلس ان کے لئے حسرت ثابت ہوگی۔ (رواد احمد، ابن کثیر)

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا، یعنی اللہ کی پاکی بیان کر دو صبح و شام۔ صبح و شام سے مراد یا تو تمام اوقات ہیں، یا پھر صبح و شام کی تخصیص اس لئے ہو کہ ان اوقات

میں ذکر اللہ کی تاکید بھی زیادہ ہے اور برکت بھی۔ ورنہ ذکر اللہ کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يَصْلِيْ عَلَیْكُمْ وَ مَلَائِكَتُهُ، یعنی جب تم ذکر اللہ کی کثرت کے عادی ہو گئے اور صبح و شام کی تسبیح پر مداومت کرنے لگے تو اس کا اعزاز و اکرام اللہ کے نزدیک یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے گا اور اس کے فرشتے تمھارے لئے دعا کریں گے۔

آیت مذکورہ میں لفظ صَلَوة اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور فرشتوں کے لئے بھی، لیکن مصداق صَلَوة کا الگ الگ ہے۔ اللہ کی صَلَوة تو یہ ہے کہ وہ رحمت نازل فرمائے، اور فرشتے خود تو کسی کام پر قادر نہیں ان کی صَلَوة یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نزول رحمت کی دعا مانگیں۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صَلَوة اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار یعنی دعا بخیرت، اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے دعا۔ لفظ صَلَوة ان تینوں معنی کے لئے شامل ہے جو عموم مشترک جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ لفظ معنی میں مشترک ہی اور تینوں مراد ہیں جو عموم مشترک کو قواعد عربیہ کی رُو سے جائز نہیں سمجھتے وہ بطور عموم مجاز کے ان سب معنوں پر لفظ صَلَوة کا اطلاق قرار دیں گے۔

تَحِيَّاتُكُمْ تَوْمَاتُكُمْ سَلَامٌ، یہ اسی صَلَوة کی توضیح و تفسیر ہے جو اللہ کی طرف سے مومن بندوں پر ہوتی ہے، یعنی جس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اس کی طرف سے ان کا اعزازی خطاب سلام سے کیا جائے گا یعنی اَسَلَامٌ عَلَیْكُمْ کہا جائے گا۔ اللہ سے ملنے کا دن کونسا ہوگا؟ نام راغب وغیرہ نے فرمایا کہ مراد اس سے روزِ قیامت ہے، اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کا وقت مراد ہے، جہاں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام پہنچے گا اور سب فرشتے بھی سلام کریں گے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اللہ سے ملنے کا دن موت کا دن قرار دیا ہے کہ وہ دن سائے عالم سے چھوٹ کر صرحت ایک اللہ کے سامنے حاضری کا دن ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہو کہ ملک الموت جب کسی مومن کی رُوح قبض کرنے کے لئے آتا ہو تو اول اس کو یہ پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے۔

اور لفظ لِقَاء ان تینوں حالات پر صادق ہوا اس لئے ان اقوال میں کوئی تضاد و تقاض نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلام تینوں حالات میں ہوتا ہو۔ روح المعانی مسئلہ: اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے کا تحبہ لفظ اسلام علیکم ہونا چاہیے خواہ بڑی کی طرف سے چھوٹے کے لئے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لئے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِينِهِ وَيَسِّرًا لِّجَمَاعَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفات کمال اور مناقب کی طرف، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارخ صفات کا ذکر فرمایا۔ شاہد، مبشر، نذیر و داعی الی اللہ سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ قیامت کے روز امت کے لئے شہادت دیں گے جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک طویل حدیث روایت ہو جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز نور علیہ السلام پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرنے کی کہ ان کو اللہ کا کوئی پیغام پہنچا ہو۔ اس وقت حضرت نور علیہ السلام سے پوچھا جائیگا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر کوئی آپ کا شاہد بھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت گواہ ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ کو پیش کریں گے، یہ امت ان کے حق میں گواہی دے گی، تو امت نور علیہ السلام ان پر یہ جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ہمارے زمانے سے بہت طویل زمانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس جرح کا جواب امت محمدیہ سے پوچھا جائے گا، وہ یہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود نہیں تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، جن پر ہمارا ایمان و اعتقاد ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لئے شہادت لی جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے۔ اور یہ شہادت اس بنا پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر روز و ہر لمحہ ہوئے اور بعض اوقات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے روز آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے درودہ ابن المبارک عن سعید بن المسیب، منہری،

اور مبشر کے معنی بشارت دینے والا، مراد یہ ہو کہ آپ اپنی امت کے نیک باشرع لوگوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں۔ اور نذیر کے معنی ڈرانے والا، مراد یہ ہو کہ آپ امت کے لوگوں کو در صورت خلاف ورزی و نافرمانی کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔

داعی الی اللہ سے مراد یہ ہو کہ آپ امت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِينِهِ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید و شرط کا اعناض اس اشارہ کے لئے ہے کہ تبلیغ و دعوت کی خدمت نفع دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آسکتی۔ سراج کے معنی چراغ اور تیر کے معنی روشن کرنے والا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں صفت اس میں یہ بیان فرمائی گئی کہ آپ روشن کرنے والے چراغ ہیں، اور بعض حضرات نے سراج منیر سے مراد قرآن لیا ہے، مگر نسبی کلام سے قریب ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر منہری میں فرمایا کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام قومیں کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت کے افضل و اعلیٰ قرار پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ درواسطہ ہو کر پہنچا (انہی کلام) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تمام انبیاء خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی

یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق و ممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہر حال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضۃ نور کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود و شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے، آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مؤمنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں۔ وجہ اس تشبیہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ خستہ کاری ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے، اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی متعذر رہی اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات جیسے قرآن میں آئی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یشار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات میں آئی ہیں وہ مجھے بتلائیے۔ انھوں نے فرمایا بیشک میں بتلا تا ہوں، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا:-

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُحَمَّدًا
وَقَدْ بَرَأَ خُوفًا لِلْمُتَّقِينَ
أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي مُبَشِّرًا
وَالْمُنْذِرُ لِمَنْ يَهْطِلُ وَلَا غِلَظَ
وَلَا سَخَابَ فِي الْأَمْوَاجِ
وَلَا يَنْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ
وَلَكِنْ يَغْفِرُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ
اللَّهُ تَعَالَى حَتَّى يَهْجِمَ بِهِ الْمَلَأَةُ
أَنْعَوْا بَابَ يَوْمٍ لَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَرَبُّكُمْ بِهِ اعِينَا عَمِّياد

اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا ہوا شاہد بنکر
اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا
اور پیادہ و حفاظت امین یعنی عیب
کی آپ میرے بندے اور رسول ہیں
میں نے آپ کا نام متوکل یعنی اللہ
پر بھروسہ کرنے والا رکھا ہے نہ آپ
تند خو ہیں نہ سخت مزاج اور بازو
میں شور مچانے والے، اور آپ بُرائی
کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے، بلکہ خدا
کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ

إِنَّا أَنَا صَمٌّ وَغُلٌّ غُلٌّ،
لا یس کے جب تک کہ آپ کے ذریعہ طرہی اُمت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الہ الا اللہ
کہنے لگیں، آپ کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کالوں اور بند دلوں کو کھول دینگا
بہر بنیاد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا كُنْتُمْ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ

لے ایمان والو جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَلُونَ وَنَهَاي

پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ

فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَخُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۴۹﴾

سوان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے۔

خُلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو! تمھارے نکاح کے احکام میں سے تو ایک حکم یہ ہے کہ جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (دسی وجہ سے) طلاق دیدو تو تمھاری ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو (تا کہ ان کو اس عدت میں نکاح ثانی سے روک سکو جیسا کہ عدت واجب ہونے کی صورت میں شرعیہ روکنا جائز بلکہ واجب ہے) اور جب اس صورت میں عدت نہیں (تو ان کو کچھ مال) متاع دیدو (اور) خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو (اور تو منات کی طرح کتابیات کا بھی یہی حکم ہے، آیت میں مؤمنات کی قید بطور شرط کے نہیں بلکہ ایک ترفیعی ہدایت ہے، کہ مومن کو اپنی نکاح میں مسلمان عورت ہی کا انتخاب کرنا بہتر ہے۔

اور ہاتھ لگانا کناہی ہے محبت سے خواہ حقیقہ یا محض جیسے باہم خلوت صحیح ہو جائے تو یہ بھی صحبت کے حکم میں ہے، اور صحبت حقیقہ ہو یا محض دونوں صورتوں میں عدت واجب ہے۔ کذا فی الہدایہ وغیرہ، اور اگر مقرر ہو چکے ہو تو یہ متاع نصف ہر کی ادائیگی ہے۔ اور سراح جمیل یہ ہے کہ ان کو بغیر حق کے نہ روکے، اور جو متاع دینا واجب ہے

وہ اوکرنے اور دیا ہوا داپس نہ لے، زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہے۔

معارف و مسائل

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صفات کمال اور آپ کی محفوضی شان کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی ان خصوصیات کا ذکر آنے والا ہے، جو نکاح و طلاق کے معاملات میں آپ کے ساتھ ایک گونہ خصوصیت رکھتی ہیں، اور عام امت کی نسبت سے آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے۔ اس سے پہلے بطور تمہید کے ایک عام حکم متعلقہ طلاق ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کئے گئے ہیں :-

پہلا حکم یہ کہ کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیح سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی ذمت آجائے، تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ آیت مذکورہ ہاتھ لگانے سے مراد محبت اور محبت کا حقیقی یا جتنی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا علامتہ تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اور صحبت جتنی خلوت صحیح ہو جانا ہے۔

دوسرا حکم یہ کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے، کچھ سامان دے کر رخصت دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب و منقول ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر میں گذر چکی ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا تَمْسُوْنَھُنَّ کے تحت میں گذر چکی ہے، اور ان الفاظ تشرکائی میں لفظ متاع اختیار فرمانا شاید اس محنت سے ہو کہ یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، ہر اس چیز کے لئے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس میں عورت کے حقوق واجبہ وغیرہ بھی شامل ہیں کہ اگر اب تک ہر نہ دیا گیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دیں، اور غیر واجب حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر رخصت کرنا یہ بھی داخل ہے جو ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب (کنافی المبطو والخط، روح) اس لحاظ سے..... نتیجہ ہمیں کا صیغہ امر عام ترغیب کے لئے ہے، جس میں واجب اور غیر واجب دونوں قسمیں شامل ہیں (روح)

امام حدیث عبد بن حمید نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ متعہ یعنی متاع

سامان دینا ہر مطلقہ کے لئے ہر خواہ اس کے ساتھ خلوت صحیح ہوئی ہو یا نہ ہو، اور اس کا ہر مقرر ہونا نہ ہو۔

طلاق کے وقت متعہ بدائع میں ہو کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے یعنی لباس کی تفصیل کے وقت ضروری استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتہ، اور سنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپائے شامل ہے۔ اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہو تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ لکن اقال الخصاص فی النفقات

اسلام میں حسن معاشرت دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں کی بے نظیر تعلیم اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق

حسن معاشرت کا سامان اور صرف یہ ہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے مخالف اور دشمن کے بھی حقوق پہنچانا اس کے لئے قوانین وضع کرنا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے۔

اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کیلئے دنیا میں بہت سے مستقل ادارے قائم کئے گئے ہیں، اور اس کے لئے کچھ ضابطے، قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد

کے لئے اقوام عالم سے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، مگر اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں۔ جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی

بے غرض اور ہر جگہ نہیں، بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اور باغرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی زیادہ سے زیادہ اس وقت

پہنچ ہو سکتی ہے جب کسی خطہ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان، وبائی امراض وغیرہ کا پیش آجائے۔ افراد و احاد کی مصیبت و تکلیف کی کس کو خبر ہوتی ہے، کون مدد کو پہنچ

سکتا ہے، شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت ختمے اور ناراضی سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی یگانگت

اور محبت و الفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نقیض بن کر نفرت، دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات نے

عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہی ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ نفس کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس عورت نے

ہیں ستایا اذیت وی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبوری ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے اور جو انتقام اس سے لیا جاسکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر شرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لئے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت کو شوہر کے مکان میں گزارنے کی لگادی۔ طلاق دینے والے پر فرض کر دیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے، اور اس کو بھی پابند کر دیا کہ ایام عدت میں اس گھر سے نہ نکلے۔ دوسرے شوہر پر فرض کر دیا کہ طلاق دیدینے کے باوجود اس زمانہ عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے۔ تیسرے شوہر کے لئے منتخب کیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو زخصت کرے تو متاع یعنی لباس دے کر عورت کے ساتھ زخصت کرے، صرف وہ عورتیں جن کے ساتھ صرف نکاح کا بول بڑھا گیا ہے زخصتی اور خلوت و محبت کی ذمت نہیں آئی وہ عدت سے مستثنیٰ قرار دی گئیں، لیکن ان کے متاع کی تاکید بنسبت دوسری عورتوں کے زیادہ کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ سِتْرِ مُحَمَّدٌ سِتْرُ اَحْبَابِیْنِہٖ، یعنی ان کو زخصت کر دینا اور عدت کے ساتھ جس میں یہ پابندی لگادی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں۔

مخالفت کے وقت مخالفت کے حقوق کی رعایت وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے، اسلام کی ساری تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ

اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے ہر قودے چکا ہے

وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَدَنَ عَمَلِكَ

اور جو مال ہر تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگائے تیرے اللہ اور تیرے ہجاک کی بیٹیاں

وَبَدَنَ عَمَلِكَ وَبَدَنَ خَالَاتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ

اور پھر بچوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاولوں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن

مَعَكَ وَأَمْرًا مَّوْعِنَةً إِنَّ وَهَبْتَ نَفْسَكَ لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ

چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت ہر مسلمان اگر بخش دے اپنی جان نبی کو اگر نبی

النَّبِيِّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے، یہ خاص ہے تیرے لئے سوائے سب مسلمانوں کے،

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

ہم کو معلوم ہو چکا ہے جو ہم نے ان پر ان کی عورتوں کے حق میں اور ان کے ہاتھ کے مال میں

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا ۝۵

تاکہ نہ تجھ پر تنگی اور نہ اللہ تجھے والا مہربان

تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْتَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ط وَمَنْ

پسے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں سے اور ملے دے اپنی پاس جس کو چاہے اور جس کو

أَسْتَعِثَّ مِنْكُمْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ

جی چاہے تیرا ان میں سے جن کو نالے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر اس میں قریب کر کہ گناہی

أَعْيُنُهُمْ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ ط وَاللَّهُ

رہیں آنکھیں ان کی اور غم نہ کھائیں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے یہاں سب کی سب کو، اور اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝۶ لَا يَحِلُّ

جاننا ہو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہو اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا عمل والا۔ حلال نہیں

لَكَ الْيَسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ

تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے کرے اور عورتیں

وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ط وَكَانَ

اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت مگر جو مال ہر تیرے ہاتھ کا اور ہے

اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبٌ ۝۷

اللہ ہر چیز پر نگہبان

خلاصہ تفسیر

اے نبی! بعض احکام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں جن آپ کا اختصاص اور شرف

بھی ثابت ہوتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں، حکم اول، ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں
 دجو کہ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور جن کو آپ انکے ہر دے چمے ہیں (باوجود چا
 سے زائد ہونے کے) حلال کی ہیں (حکم دوم) اور وہ عورتیں بھی (خاص طور پر حلال کی ہیں) جو
 تمہاری ملوک ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوا دی ہیں (اس خاص طور کا بیان
 معارف مسائل میں آئے گا، حکم سوم) اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی بھوپوں کی بیٹیاں
 (مراد اس سے باپ کے خاندان کی بیٹیاں ہیں) اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں
 کی بیٹیاں (مراد اس سے ماں کے خاندان کی بیٹیاں ہیں، یعنی ان سب کو) بھی (اللہ تعالیٰ نے
 آپ کے لئے حلال کیا ہے، مگر یہ خاندان کی عورتیں مطلقاً نہیں بلکہ ان میں سے صرف وہی
 جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو (ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل ہجرت میں موافقت
 کی ہو اور محبت زمانہ کی قید نہیں ہے اور اس قید سے وہ نکل گئیں جو مباحہر نہ ہوں،
 حکم چہارم) اور ان مسلمان عورت کو بھی (آپ کے لئے حلال کیا) جو بلا عرض (یعنی بلا کہہ
 اپنے کو پیغمبر کو دیدے (یعنی نکاح میں آنا چاہے، بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہے
 (اور مسلمان کی قید سے کافرہ نکل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نکاح درست
 تھا، اور حکم پنجم (مراد یہ سب احکام) آپ کے لئے مخصوص ہوئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لئے نہ (اور احکام چہارم
 ہم کو وہ احکام معلوم ہیں (اور آیات و احادیث کے ذریعہ اور دیکھیں معلوم کرادیں) جو ہم نے ان (عام مؤمنین)
 پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں معسر رکھے ہیں (جو ان احکام سے متاثر اور مختار
 ہیں جن میں سے نمونہ کے طور پر ایک اور بھی آیت اِذَا نَكَحْتُمُوهُنَّ مِنْكُمْ مِمَّا فَرَغْتُمْ مِنْ
 فَتَيَاتِكُمْ مِّنْ مَّوَدَّكُمْ مِمَّا فَرَغْتُمْ مِنْكُمْ مِمَّا فَرَغْتُمْ مِنْكُمْ مِمَّا فَرَغْتُمْ مِنْكُمْ مِمَّا فَرَغْتُمْ مِنْكُمْ
 قرار دے ہو یا شرعی حکم سے۔ اور نکاح نبوی حکم چہارم میں مہر سے خالی ہے اور یہ اختصار
 اس لئے ہے) تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو (پس جن احکام مخصوص ہیں اور وہ
 تو یہ ہے جیسے حکم اول و چہارم، ان میں تو تنگی نہ ہونا ظاہر ہے اور جن میں ظاہر تفسید و
 تفسیق ہے جیسے حکم سوم اور پنجم وہاں تنگی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے یہ قید آپ
 کے بعض مصالح کے لئے لگائی ہے اگر یہ قید نہ ہوتی تو آپ کی وہ مصلحت فوت ہو جاتی اور
 اس وقت آپ کو تنگی ہوتی جو ہم کو معلوم ہے، اس لئے رعایت اس مصلحت کی گئی تاکہ وہ
 تنگی محض واقع نہ ہو اور حکم دوم کے متعلق معارف و مسائل میں آئے گی) اور (رفع حرج
 کی رعایت کچھ اپنی احکام مختصہ ہی میں نہیں ہے بلکہ عام مؤمنین کے متعلق جو احکام ہیں
 ان میں بھی یہ امر ملحوظ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (پس رحمت سے احکام میں

سہولت کی رعایت فرماتے ہیں، اور سہل احکام میں بھی کوتاہی ہو جانے پر احیاناً مغفرت
 فرماتے ہیں جو دلیل غایت رحمت ہو، جو بناء ہے سہولت احکام و رفع حرج کی اور یہ تو
 بیان تھا ان عورتوں کی اقسام کا جو آپ کے لئے حلال کی گئیں، آگے اس کا بیان ہو کہ جو
 اقسام حلال کی گئیں ہیں ان میں سے جتنی جن وقت آپ کے پاس ہوں ان کے کیا احکام
 ہیں، پس حکم ششم یہ ارشاد ہو کہ (ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں)
 اپنے سے دور رکھیں (یعنی اس کو باری نہ دیں) اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں)
 اپنے نزدیک رکھیں (یعنی اس کو باری دیں) اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر
 کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں (مطلب یہ ہوا کہ ازواج میں شب ناشی
 کی باری وغیرہ کی رعایت آپ پر واجب نہیں اور اس میں ایک بڑی ضروری مصلحت
 ہے وہ یہ کہ) اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان (بیبیوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی (یعنی
 خوش رہیں گی) اور اگر وہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیدیں گے اس پر سب کی
 سب ماضی رہیں گی (کیونکہ بناء بیچ کی عادت دعویٰ استحقاق کا ہوتا ہے، اور جب معلوم
 ہو جائے کہ جو کچھ مال یا توجہ مبذول ہوگی وہ تبرع محض ہو، ہمارا حق واجب نہیں ہو
 تو کسی کو کوئی شکایت نہ رہے گی، اور لونڈیوں کا حق باری میں نہ ہونا سب ہی کو
 معلوم ہے) اور (اے مسلمانو! یہ احکام مختصہ سن کر دل میں یہ خیالات مت پکالینا
 کہ یہ احکام عام کیوں ہوئے اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم
 ہیں (ایسا خیال پکالنے پر تم کو سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد ہو، جو موجب تعذیب ہو) اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ
 جاننے والا ہے (اور معترضین کو جو عاجلاً سزا نہیں ہوتی تو اس سے نفی علم لازم نہیں آتی
 بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) بردبار (بھی) ہے (اس لئے کہی سزا میں ذمیل دیتا ہے،
 آگے بقیہ احکام مختصہ بحضرة الرسالة ارشاد فرماتے ہیں جن میں بعض تو احکام بالا
 کا نتیجہ ہیں اور بعض جدید ہیں، پس ارشاد ہے کہ اوپر جو حکم سوم و پنجم میں منکوحہ عورتوں
 میں ہجرت اور ایمان کی قید لگائی ہے (سو) ان کے علاوہ اور عورتیں (جن میں یہ قید
 نہ ہو) آپ کے لئے حلال نہیں ہیں (یعنی اہل قرابت میں سے غیر مہاجرات حلال نہیں
 اور دوسری عورتوں میں سے غیر غنیمات حلال نہیں، یہ تو تہمت ہوا حکم بالا کا) اور
 آگے حکم ہفتم جدید ہو کہ) نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ
 دوسری بیبیاں کر لیں (اس طرح سے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیدیں اور بجاتے

ان کی دوسری کرلین اور یوں بدون ان کے طلاق دیتے ہوئے اگر کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں اسی طرح اگر بلا قصد تبدل کسی کو طلاق دیدیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دال ہے، پس یہ تبدل منوع ہے، اگرچہ آپ کو ان رد و سریوں کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی ملوکہ ہو وہ حکم پنجم اور ہفتم دونوں سے مستثنیٰ ہے یعنی وہ کتابہ ہونے پر بھی حلال ہے، اور اس میں تبدل بھی درست ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت اور آثار و مصالح کا پورا نگران ہے اس لئے ان سب احکام میں مصلحتیں و حکمتیں ہیں گو عام مکلفین کو وہ تعیناً نہ بتلائی جائیں، اس واسطے کسی کو سوال یا اعتراض کا منصب نہ تھا قی نہیں۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں نکاح و طلاق وغیرہ متعلق ان شات احکامات کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں۔ اور یہ خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہیں، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالکل واضح اور جلی ہے اور بعض ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہیں مگر ان میں کچھ قیدی شرطیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں، اب ان کی تفصیل دیجئے۔

پہلا حکم اِنَّا اَحْكَمْنَا لَكَ اَمْرًا وَاَجَلْنَا لَكَ الْاَيْتِ اُجُوْدَهْنَ، یعنی ہم نے حلال کر دیا آپ کے لئے آپ کی سب موجودہ ازواج کو جن کے ہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں، یہ حکم بظاہر سب مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزولِ آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں اور عام مسلمانوں کے لئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں صحیح کرنا حلال نہیں، تو یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لئے حلال کر دیا گیا۔

اور اس آیت میں جو اُیْتِ اُتْمَتْ اُجُوْدَهْنَ، فرمایا ہے یہ کوئی قیداً احترازی یا شرط حلت نہیں بلکہ واقعہ کا اظہار ہے کہ جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں آپ نے سب کا ہر نقدار کر دیا اُدھار نہیں رکھا۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ ماند ہو اس کو فوراً دیکر سبکدوش ہو جاتے تھے،

بلا ضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

دوسرا حکم وَمَا مَنَعَتْكُمْ مِمَّا آفَاءَ اللّٰهِ عَذِیْبَةً، یعنی آپ کے لئے حلال کر دیا ان عورتوں کو جو آپ کی ملک میں ہوں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مالک بنا دیا، اس آیت میں لفظ آفاء، فتنی سے مشتق ہے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ مال جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے، اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظ فتنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اس کا ذکر کسی شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لئے صرف وہ کینز حلال ہوگی جو مال فتنی یا غنیمت میں سے آپ کے حصہ میں آئی ہو، بلکہ جن کو آپ نے قیمت دے کر خریدا ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہے۔

لیکن اس حکم میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اختصاص و امتیاز نہیں، پوری امت کے لئے یہ حکم ہے، جو کینز مال غنیمت سے حصہ میں آئے یا جس کی قیمت دے کر خریدیں وہ ان کے لئے حلال ہے، اور بظاہر سیاق ان تمام آیات کا یہ چاہتا ہو کہ ان میں جو احکام آئے ہیں وہ کچھ نہ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں۔ اسی لئے روح المعانی میں کینزوں کی حلت سے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی سے حلال نہیں۔

اس طرح جو کینز آپ کے لئے حلال کی گئی ہے آپ کے بعد وہ کسی کے لئے حلال نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت زبیر بن جحش کو مقوقس بادشاہ روم نے آپ کے لئے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ تو جس طرح آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کا نکاح کسی سے جائز نہیں تھا ان کا بھی نکاح کسی سے جائز نہیں رکھا گیا۔ اس لحاظ سے مَا مَنَعَتْكُمْ اَمَّا اَمَّا حَمَمٌ کے حلال ہونے میں بھی آپ کی ایک خصوصیت ثابت ہو گئی۔

اور سیدی حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے اور دو خصوصیتیں بیان العتران میں بیان فرمائی ہیں، جو مذکورہ خصوصیت سے زیادہ واضح ہیں،

اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے آپ اس میں سے کسی چیز کا اپنے لئے انتخاب فرمائیں تو وہ آپ کی بلک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صفی النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت صفیہؓ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا تو ملک یمن کے مسلمانوں میں یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو یہ آپ ہی کی ملک قرار پائیں۔ واللہ اعلم

تیسرا حکم: بَنِيَتْ عَقْدُكَ وَبَنِيَتْ عَقْدُكَ الْاِيَةِ، اس آیت میں عہد اور خاں کو مفرد اور عہدات اور خالات کو جمع لانے کی توجیہات علماء نے بہت لکھی ہیں، تفسیر روح المعانی نے البو حیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا ہے کہ محاورہ عرب کا اسی طرح ہے، اشعار عرب اس پر شاہد ہیں کہ عہد کی جمع استعمال نہیں کرتے مفرد ہی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ کے لئے چچا اور بھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، چچا بھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں، اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔ لیکن ان میں یہ قید کہ انھوں نے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عام امت کے لئے تو باپ اور ماں کے خاندان کی یہ لڑکیاں بغیر کسی شرط کے حلال ہیں، خواہ انھوں نے ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان میں سے صرف وہ حلال ہیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سفر میں آپ کی معیت رہی ہو یا ایک ہی وقت میں ہجرت کی ہو، بلکہ مراد نفس ہجرت میں معیت و موافقت ہے۔ ان میں سے جن نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا، جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی آمنہؓ ہانی نے فرمایا کہ مجھ سے آپ کا نکاح اس لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا۔ طلقاء، ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فسخ مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا نہ غلام بنایا۔ (روح وجصاص)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لئے ہجرات کی شرط صرف انہوں باپ کے خاندان کی لڑکیوں میں تھی، عام امت کی عورتوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔ اور خاندان کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط لگانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ عموماً خاندان کی لڑکیوں کو اپنے خاندان کا ایک ناز اور فخر ہوتا ہے، اور رسول کی زوجیت کے لئے یہ خدائیانہ شان نہیں، اس کا علاج ہجرت کی شرط سے کیا گیا۔ کیونکہ ہجرت صرف وہی عورت کرے گی جو اللہ و رسول کی محبت کو اپنے سارے خاندان اور وطن و جاہ تہذیب کی محبت سے غالب رکھے نیز ہجرت کے وقت انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں اور اللہ کی راہ میں جو تکلیف و مشقت اٹھانی جائے اس کو اصلاح اعمال میں خاص دخل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ کے خاندان کی لڑکیوں سے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خصوصی شرط یہ ہے کہ انھوں نے مکہ سے ہجرت کرنے میں آپ کا ساتھ دیا ہو۔

چوتھا حکم: وَامْرَاةٌ مُؤْمِنَةٌ اِثْنًا وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَنْسِكَ حَتَّىٰ اِلَصَّةً ثَلَاثًا مِنْ ذَوِي الْقَرْبَىٰ مَعِيْنًا، یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لئے ہمہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے، اگر آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لئے بلا مہر کے بھی نکاح حلال ہے، اور یہ خاص حکم آپ کے لئے ہے دوسرے مؤمنین کے لئے نہیں ۱۱

اس معاملہ کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالکل واضح ہے کیونکہ عام لوگوں کے لئے نکاح میں ہر شرط لازم ہے، یہاں تک کہ اگر بوقت نکاح کسی مہر کا ذکر نہ ہو یا نفی کے ساتھ آیا کہ عورت نے کہا کہ مہر نہیں لوں گی، یا مرد نے کہا کہ نکاح اس شرط پر کرتے ہیں کہ مہر نہیں دیں گے، دونوں صورتوں میں ان کا کہنا اور شرط شرعی حیثیت سے لغو ہوگی، اور شرعاً مہر مثل واجب ہوگا۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نکاح بلا مہر حلال کیا گیا ہے جبکہ عورت بلا مہر نکاح کرنے کی خواہش مند ہو۔

خامس: یہ حکم کہ جو عورت آپ کے لئے اپنے آپ کو ہمہ کرے، یعنی بلا مہر کے نکاح کرنا چاہے وہ آپ کے لئے حلال ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش بھی آیا؟ نہیں بعض نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت سے رسول اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرنا ثابت نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے کسی ہمہ کرنے والی عورت سے نکاح نہیں کیا، اور بعض حضرات نے بعض ایسی عورتوں سے نکاح ہونا ثابت کیا ہے۔ (روح المعانی)

اس حکم کے ساتھ جو جملہ تَحَايِصَۃً اَلْفَ کا آیا ہے، اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چارم کے ساتھ مخصوص کہا ہے، اور زَنْشُرِی وغیرہ مفسرین نے اس جملے کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں، کہ یہ سب خصوصیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔ اس کے آخر میں فرمایا اَلْحَيْلُ لَا يَتَكُونَنَّ عَلَیْكَ حَرَجٌ، یعنی یہ خصوصی احکام آپ کے لئے اس لئے دیئے گئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ جو احکام مخصوصہ اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں پہلا حکم یعنی چار سے زائد بیسیاں آپ کے لئے حلال کر دیجئیں اور حکم چارم کے بغیر ہر کے نکاح حلال کر دیا گیا، ان میں تو تنگی کا رفع کرنا اور مزید سہولت دیا جاتا نظر ہے، مگر باقی تین حکم یعنی دوم و سوم اور پنجم ان میں تو بظاہر آپ پر کچھ مزید قیدیں لگادی گئیں جن سے تنگی اور بڑھتی چاہئے۔ مگر اس میں اشارہ فرمادیا کہ اگرچہ ظاہر میں یہ قیدیں ایک تنگی بڑھاتی ہیں، مگر ان میں آپ کی ایسی مصلحتوں — کی رعایت ہے کہ یہ قیدیں نہیں تو آپ کو بڑی تکلیف پیش آتی جو ضیقِ قلب کا سبب بنتیں، اس لئے قید زائد میں بھی آپ کی مصلحت کا رفع کرنا ہی مقصود ہے۔

پانچواں حکم: جو آیات مذکورہ میں مؤمنہ کی قید سے مستفاد ہوتا ہے یہ کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بھنص قرآن حلال ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عورت کا مؤمن ہونا شرط ہے، کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

ان پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے۔
 کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجالاؤ ذکر فرمایا ہے، **فَإِنْ قَلِمْنَا مَا فَارَقْنَا عَلَيْهِمْ فِي**
أَرْوَاحِهِمْ وَمَا مَكَكَتْ أَيْمَانُهُمْ، یعنی احکام مذکورہ آپ کے لئے مخصوص ہیں،
 باقی مسلمانوں کے نکاح کے لئے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام
 مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہو سکتا، اور کتابیات سے ان کا نکاح ہو سکتا ہے
 اسی طرح سابقہ احکام میں جو قیدیں شرطیں آپ کے نکاح کے لئے ضروری قرار دی گئی
 ہیں وہ اوروں کے لئے نہیں ہیں۔

آخر میں فرمایا لَکُمُ الْيَوْمَ الْحَجُّ مَکْرُومٌ، یعنی مکہ حج کے معاملے میں آپ کے لئے یہ خصوصی احکام اس لئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو، اور جو قیدیں شرطیں آپ پر بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے زائد لگائی گئی ہیں اگرچہ بظاہر وہ ایک قسم کی تنگی ہے مگر جن مصالح اور حکمتوں کے پیش نظر آپ کے لئے یہ شرطیں لگائی ہیں ان میں

غور کریں تو وہ بھی آپ کی روحانی پریشانی اور تنگ دلی کو دور کرنے ہی کے لئے ہیں۔ یہاں تک نکاح کے متعلق پانچ احکام آئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہ کوئی خصوصیت رکھتے ہیں۔ آگے دو حکم اپنی پانچ احکام سے متعلق بیان فرماؤں گی مثلاً چھٹا حکم: مَنْ زَوَّجَ مِنْ نِسَاءِ مَنْ هُنَّ ذَوَاتُ اِلَیْقَ مِنْ نِسَاءِ، ترجمہ: ارجاء سے مشتق ہے جس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں، اور ذَوَاتُ اِلَیْقَ، ازواج سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص حکم ہے، عام امت کے لوگوں کے لئے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ برابری سے مراد نفقہ کی برابری اور شرب پاشی میں برابری ہے کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں اتنی دوسری اور تیسری کے ساتھ گزارنا چاہئے، کمی بیشی ناجائز ہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے میں مکمل اختیار دیدیا گیا سب ازواج میں برابری کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا، اور آخر آیت میں یہ بھی اختیار دیدیا کہ جس بیوی سے ایک مرتبہ اجتناب کا ارادہ کر لیا پھر اگر چاہیں تو اس کو پھر قریب کر سکتے ہیں، وَمِنْ اَبْتَعِیْتَ مِنْ عَزْلَتٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ کَاِیِّی مَطْلِبٍ ہے۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا کہ ازواجِ مطہرات میں
برابری کرنے کے حکم سے متعلق فرمادیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہتھیار
واجازت کے باوجود اپنے عمل میں ہمیشہ برابری کرنے کا التزام ہی فرمایا۔ امام ابو بکر
جصاص نے فرمایا کہ حدیث کی روایت یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے
نزول کے بعد بھی ازواجِ مطہرات میں برابری کی رعایت ہمیشہ رکھتے تھے، پھر انی اسناد
کے ساتھ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے یہ حدیث نقل کی جو مسند احمد، ترمذی، نسائی،
ابوداؤد وغیرہ میں بھی موجود ہے:

حُجَّانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ قَبْعُولٌ فَأَقْسَمَ فِيهَا أَمِيكَ فَلَا تَلْمِزْنِي فِيهَا لَا أَمِيكَ قَالَ أَبْرَدَاؤُ دِيكُنِي الْقَلْبَ

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی، **لَا يَجْزِيكَ الْاِيَةُ** (جس میں)۔ بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا۔

یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے، مگر مرض وفات میں جب آپ کو ازواج مطہرات کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہو گیا تو آپ نے سب سے اجازت حاصل کر کے حضرت صدیقہ عائشہؓ کے بیت میں بیماری کے دن گزارنا اختیار فرمایا تھا۔

انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جن کاموں میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نخصت آپ کی آسانی کے لئے دی جاتی تھی تو اس کی شکر گزاری کے طور پر آپ عموماً عزیمت پر عمل کرتے اور نخصت کو صرف ضرورت کے وقت استعمال فرماتے تھے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ تَقْرَءَ اٰھْلُھُمْ وَلَا تَحْنُوتَ وَلَا تَحْنُوتَ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہرات میں برابری کی فرضیت کا اٹھا دینا اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دیدینا، اس کی علت و حکمت کا بیان ہے آپ کو یہ عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ اپنے حصہ پر راضی رہیں۔

یہاں پر شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشا کے خلاف اور ان کے بیچ کا سبب ہو سکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا گیا؟ اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں اور آچکا ہے کہ دراصل ناراضگی کا اصل سبب انسا استحقاق ہوتا ہے، جس شخص کے متعلق انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا فلاں حق اس کے ذمہ واجب ہے، اگر وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو بیچ و غم پیش آتا ہے اور جس شخص پر ہمارا کوئی حق واجب نہ ہو پھر وہ جو کچھ بھی ہربانی کرے وہ خوشی ہی خوشی ہوتی ہے، یہاں بھی جب یہ بتلا دیا گیا کہ ازواج میں برابری کرنا آپ پر واجب نہیں، بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بی بی کو جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے گا، وہ اس کو ایک احسان و تبرع سمجھ کر خوش ہوگی۔

آخر میں فرمایا **وَاللّٰهُ يَتَكَلَّمُ بِمَا فِي كَلِمَاتٍ** (اللہ تعالیٰ جملہ کلمات میں)

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کچھ تعارف دلوں میں ہے، اور وہ بڑے علم والا بڑے علم والا ہے۔ آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو دربارہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرح کی خصوصیت رکھتے ہیں، آگے بھی ایسے ہی بعض احکام کا بیان آ رہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیہم السلام ہے، بظاہر ماقبل اور ابعد سے کوئی جوڑ نہیں رکھتا۔ روح المعانی میں فرمایا کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار سے زیادہ ازواج کی اجازت اور بلا ہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہو سکتے تھے، اس لئے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دیدی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس پر ایمان کو پختہ کریں کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو بہت سی حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گزر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعداء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصیت کی زیادہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج کا مسئلہ مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف دوسرے پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی جس سے ثابت ہے کہ آپ نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آتی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا۔ یہ پچاس سالہ دور عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گذرا۔ چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کے ستانے اور آپ پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جو قوتی و طہارت کو مشکوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔

ہجرت مدینہ اور عمر شریف چوں سال ہو جانے کے بعد سلسلہ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی رحمتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے اور کچھ دلوں کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا۔ یہ

حضرت زینبؓ چند ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔ مسند مجری میں حضرت ام سلمہؓ جو صاحبہ جلیلہؓ
بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ مسند مجری میں حضرت زینب بنت جحشؓ سے حکم خداوندی
نکاح ہوا جس کا ذکر سورۃ احزاب کے شروع میں آچکا ہے۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف
ٹھانڈا سال تھی۔ آخری پانچ سال میں باقی ازدواجِ مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہو گئے
پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام دین کا ایک بہت بڑا حصہ
ہوتے ہیں۔ ان نو ازدواجِ مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ صرف
اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہؓ سے دو ہزار دوسو دس احادیث اور
حضرت ام سلمہؓ سے تین سو اسی احادیث کی روایت مہتر کتب حدیث میں جمع ہیں۔
حضرت ام سلمہؓ نے جو احکام و فتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیمؒ نے
اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے،
دوسرے زیادہ حضرات صحابہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کے شاگرد ہیں، جنھوں نے حدیثِ ائمہ
فقہ و فتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

اور بہت سی ازدواج کو حرمِ نبویؐ میں داخل کرنے میں ان کے خاندان کو اسلام کی
طرف لانے کی حکمت بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اس اجمالی نقشہ
کو سامنے رکھیں تو کیا کسی کو یہ گمان نہ رہ سکتی ہے کہ یہ تعدد اور کثرت ازدواج معاذ
کسی نفسانی اور جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے ہوا تھا، اگر یہ ہوتا تو ساری عمر بھر دیا
ایک بیوہ کے ساتھ گزارنے کے بعد عمر کے آخری حصہ کو اس کام کے لئے کیوں منتخب
کیا جاتا۔ یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ، نیز اصل مسئلہ تعدد ازدواج پر شرعی اور عقلی
فطری اور اقتصادی حیثیت سے مکمل بحث معارف القرآن جلد دوم سورۃ نساء کی تیسری
آیت کے تحت میں آچکی ہے وہاں دیکھا جائے (معارف جلد دوم، ص ۲۸۵ تا ۲۹۲)

ساتواں حکم: لَا يَجْرُلُ كَلَامُ مِّنْ بَعْضِكُمْ إِلَى الْآخَرِ أَنْ يَحْبِسَ عَنْهُ
أَزْوَاجَهُ وَكُلُّهُنَّ حُشَنٌ، یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے
نکاح حلال نہیں، اور یہ بھی حلال نہیں کہ موجودہ ازدواج میں سے کسی کو طلاق دے کر
اس کی جگہ دوسری بدلیں۔

اس آیت میں لفظ مِّنْ بَعْضِكُمْ کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ مِّنْ بَعْضِكُمْ
مراۃ بعد ان نو عورتوں کے جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں، اور کسی سے آپ کا نکاح حلال
نہیں، بعض صحابہ اور ائمہ تفسیر سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ نے

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازدواجِ مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لئے آپ سے جدائی
اختیار کر لیں یا پھر تنگی و فراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں
تو سب ازدواجِ مطہرات نے اپنے نفع کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اس حال میں زوجیت
کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی کو کبھی نبی
نو ازدواج کے لئے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا رواہ البیہقی فی
مسندہ کذا فی الروح

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازدواجِ مطہرات کو
آپ کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح
آپ کو بھی ان کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے
حضرت عکرمہؓ سے بھی ایک روایت میں یہی تفسیر منقول ہے۔

اور حضرت عکرمہؓ، ابن عباسؓ اور مجاہد ائمہ تفسیر سے ایک روایت میں لفظ
مِّنْ بَعْضِكُمْ کی یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ مِّنْ بَعْضِكُمْ الْأَهْلُ الْكَافِرُونَ یعنی شروع آیت
میں آپ کے لئے جتنی اقسام عورتوں کی حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی
اور قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔ مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی
عورتوں میں سے صرف وہ حلال کی گئیں جنھوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر لے
میں آپ کی موافقت کی تھی، خاندان کی عورتوں میں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال
نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح مؤمنہ کی قید لگا کر آپ کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے
نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔ تو آیت کے جملہ مِّنْ بَعْدُ کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں
آپ کے لئے حلال کر دی گئی ہیں صرف انہی میں سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے، عوام
عورتوں میں تو مسلمان ہونا ہی شرط ہے اور خاندان کی عورتوں میں مسلمان ہونے کے لئے
مہاجر ہونا بھی شرط ہے۔ جن میں یہ دو شرطیں موجود نہ ہوں، ان سے آپ کا نکاح حلال
نہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ جملہ کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ پہلے ہی حکم کی تاکید و توضیح ہے
جو شروع آیت میں بیان ہوا ہے۔ اور اس آیت کی وجہ سے نو کے بعد کسی اور عورت سے
نکاح حرام نہیں کیا گیا، بلکہ غیر مؤمنہ اور خاندان کی غیر مہاجرہ سے نکاح ممنوع ہوا ہی
جو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، باقی عورتوں سے مزید نکاح آپ کے اختیار میں رہا۔ حضرت
عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت سے بھی اس دوسری تفسیر کی تاکید ہوتی ہے، کہ آپ کیلئے
مزید نکاح کرنے کی اجازت رہی ہے۔ واللہ اعلم

پاک ہیں اس سے آئندہ بھی احتمال عدم طہارت کا مندرج ہو گیا جو کہ غیر معصوم کے اعتبار سے
فی نفسہ مجتہل ہو سکتا تھا اور درحمت ایذا نبوی صرف فضول جم کر بیٹھ جانے ہی کی صورت
میں منحصر نہیں بلکہ علی الاطلاق حکم ہے کہ تم کو کسی امر میں اجازت نہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیسیوں
سے کبھی بھی کحاح کر دے خدا کے نزدیک بڑی بھاری (محصیت کی) بات ہے (اور جس طرح
یہ کحاح ناجائز ہے ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہو جو)
اگر تم (اس کے متعلق) کسی چیز کو زبان سے ظاہر کر دو گے یا اس (کے ارادہ) کو (دل میں)
پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کی خبر ہوگی، کیونکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے
وہ تم کو اس پر سزا دیں گے اور ہم نے جو اوپر حجاب کا حکم دیا ہے اس سے بعضے مشتقی
بھی ہیں جن کا بیان یہ ہے کہ پیغمبر کی بیسیوں پر اپنے باپوں کے (سامنے ہونے کے) بارہ
میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے (یعنی جس کے بیٹا ہو) اور نہ اپنے بھائیوں
کے اور نہ اپنے بھتیجیوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی (دین شریک) عورتوں
کے اور نہ اپنی لونڈیوں کو یعنی ان کے سامنے آنا جائز ہے اور رائے پیغمبر کی بیسیوں
ان احکام مذکورہ کی تعمیل میں خدا سے ڈرتی رہو (کسی حکم کے خلاف نہ ہونے پانچ)
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے (یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں جو اس
کے خلاف کرے گا اس کو سزا سے ڈرنا چاہیے)۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں اسلامی معاشرت کے چند آداب و احکام کا بیان ہے جن کا
تعلق سابقہ آیات سے یہ ہے کہ جو آداب ان آیات میں تلقین کئے گئے وہ ابتداءً آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان اور آپ کی ازواج کے بائے میں نازل ہوتے ہیں، اگرچہ حکم
ان کا آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں۔

پہلا حکم، دعوت طعام
اور مہمان کے بعض آداب
یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا دُعِيَ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَظِيرِ بْنِ إِدْنَةَ وَلَكِنْ إِذَا
دُعِيَ لَكُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا اطْعِمْتُمْ فَأَنْقِشُوا وَلَا تَسْتَأْذِنُوا بَعْدَ نِثٍ
اس میں دعوت طعام اور مہمانی کے متعلق عین احکام کا بیان ہے اور حکم اگرچہ
سب مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر سبب نزول چونکہ خاص واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے مکان میں ہوا اس لئے عنوان میں ہیوت النبی کا ذکر فرمایا گیا پہلا یہ ہے کہ نبی کے مکانات میں
بغیر اجازت داخل نہ ہوا لَئِنْ لَمْ يَأْمُرْكَ اللَّهُ فَمَا لِي بِهِ أُولَئِكَ الْوُجُوهُ لَكُنَّ
دوسرا دہ ہے کہ جب داخل ہونے کی اجازت بلکہ کھانے کی دعوت بھی ہو تو وقت سے
پہلے ۲ کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ۔ غَيْرَ نَظِيرِ بْنِ إِدْنَةَ ناظر کے معنی اس
جگہ منتظر کے ہیں اور لفظ زنا بجز ہزہ کھانا پکے کو کہتے ہیں۔ آیت میں لَئِنْ لَمْ يَأْمُرْكُمْ
اِسْتِثْنَاءُ لَوْلَا اَنْ يُوْذَنَ لَكُمْ کا بلفظ اَلَا کہا گیا ہے، یہ دوسرا استثناء بلفظ غَيْرِ ہے
جس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ بلا اجازت داخل ہو اور نہ وقت پہلے آکر کھانا پکے کا انتظار کرو۔
بلکہ وقت پر جب بلایا جائے اس وقت مکان میں داخل ہو وَلَكِنْ اِذَا دُعِيَ لَكُمْ فَادْخُلُوا
تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے اپنے کاموں میں منتشر ہو جاؤ،
دعوت کے گھر میں باہم باتیں کرنے کے لئے جم کر نہ بیٹھو، فَإِذَا اطْعِمْتُمْ فَأَنْقِشُوا
وَلَا تَسْتَأْذِنُوا بَعْدَ نِثٍ

مسئلہ: یہ عام حالات میں ہے جہاں عادتہً مہانوں کا کھانے کے بعد دیر تک
بیٹھے رہنا میزبان کے لئے باعث کلفت ہو، خواہ اس لئے کہ وہ فارغ ہو کر اپنے دوسرے
کاموں میں لگنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہانوں کو کھانا مقصود
ہو۔ اور جہاں حالات اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہانوں کا دیر تک باہمی
باتوں میں مشغول رہنا میزبان کے لئے موجب کلفت نہیں وہ اس سے مشتقی ہوگا، جیسا کہ
آجکل کی پارٹیوں اور دعوتوں میں رواج ہو گیا ہے۔ دلیل اس کی آیت کا اطلاق حملہ پر جس میں
ارشاد ہے اِنْ دُعِيَ لَكُمْ فَادْخُلُوا وَلَكِنْ اِذَا دُعِيَ لَكُمْ فَادْخُلُوا وَلَا تَسْتَأْذِنُوا بَعْدَ نِثٍ
یعنی کھانے کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایسا کرنے سے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ کیونکہ مہانوں کے کھانے کا انتظام زمانہ مکان میں
ہوتا تھا، وہاں مہانوں کا دیر تک ٹھہرنا گھر والوں کے لئے موجب کلفت ہونا ظاہر ہے۔
آیت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مہانوں کے اس طریق
عمل سے تکلیف پہنچتی ہے مگر جو تکلیف خود اپنے گھر کے مہان ہیں اس حالت میں ان کو ادب
رکھانے سے حیا مانع ہوتی ہے، مگر حق بات کے اظہار میں اللہ تعالیٰ حیا نہیں کرتا۔

مسئلہ: اس پہلے سے مہانوں کے اکرام اور خاطر داری کا کتنا بڑا اہتمام معلوم
ہوا کہ اگرچہ مہمانی کے آداب سکھانا آپ کے فرائض میں تھا، مگر اپنا مہمان ہونے کی
حالت میں آپ نے اس کو بھی ملحوظ کیا۔ یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ ادب

سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

دوسرے حکم عورتوں پر پردہ

اِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ مِّنْ بَّيْتِكُمْ فَاَقْبِلُوا لَهُنَّ سَلَامًا مِّنْ رَّبِّكُمُ ذَٰلِكَ خَبْرُكُم مِّنْ عِندِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اِنَّ عِندَ اللَّهِ لَخَبْرَ الْغُيُوبِ اَمَّا عَنِ الْمَرْءِ الْمُنَافِقِ اِنَّهُٗ فَعِلٌ مِّنْ اَعْيُنِنَا وَنَحْنُ عَاظِمُوهُ اِنَّ الْمُنَافِقِ لَوَاقِعٌ اَمَّا عَنِ الْمَرْءِ الْمُنَافِقِ اِنَّهُٗ فَعِلٌ مِّنْ اَعْيُنِنَا وَنَحْنُ عَاظِمُوهُ اِنَّ الْمُنَافِقِ لَوَاقِعٌ

برودہ نسوان کی خاص اہمیت

یہ کہ یہ بات قابل نظر ہے کہ یہ پردے کے احکام جن عورتوں مردوں کو دینے گئے ہیں ان میں عورتیں تو ازواج مطہرات ہیں، جن کے دونوں کو پاک صاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، جس کا ذکر اس سے پہلی آیت لیکن یہ تَعَذُّرُ الْمَرْءِ اِنْ كُنَتْ مِحْسَنًا میں مفصل آچکا ہے۔ دوسری طرف جو مرد و عورتوں کے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جن میں بہت سے حضرات کا مقام فرشتوں سے بھی آگے ہے۔

آیات مذکورہ کے اسباب نزول

شروع آیت میں جو مہمانی کے آداب بیان ہوتے ہیں بفرمان کھانے کے لئے نہ جائیں، اور کھانے کے انتظار میں نہ بیٹھیں۔ اس کا سبب نزول ابن ابی حاتم نے سلیمان بن ارقم سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان ثقلاء اور بھول لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر دعوت کے کسی کے مکان میں جا بیٹھیں اور کھانے کا انتظار کریں۔

اور امام عبد بن حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اُن بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو انتظار میں رہتے اور کھانے کے وقت سے پہلے رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں جا کر بیٹھ جاتے اور باہمی باتوں میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ کھانا تیار ہو جاتا تو اس میں شریک ہو جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ہدایات جاری ہوئیں جو شروع آیت میں مذکور ہیں یہ واقعات پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کے ہیں، جب عام مرد و زناد مکان میں آتے جاتے رہتے تھے۔

دوسرا حکم جو عورتوں کے پردہ سے متعلق ہے اس کے شان نزول میں امام بخاری کی روایتیں ہیں۔ ایک روایت حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس نیک و بد میں طرح کے آدمی آتے جاتے ہیں، اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیدیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے، اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

دافقت ربی فی ثلاث قلت یا رسول اللہ لو اتحدت فی مقام ابیہیم مصلیٰ فانزل اللہ تعالیٰ وَاَنْتَ خِذْ زَاوِجَ مَقَامِ ابْنِ زُهَيْرٍ مَّصْلٰی وَكَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ نَسَا لَكَ یَدْخُلْ عَلَیْكَ الْبَرْ وَ الْفَاجِرُ فَلَکُمْ حَبْلَتُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰیةَ النِّجَابِ وَقُلْتُ لَازِوَاجِ الْمُنٰثِیِّ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَمَلَّکُنْ عَلَی رَیْقَةٍ اِنْ طَلَعْتَکُنْ اَدَسَ یُبٰی لَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِنْکُمْ فَانْزَلَ کَذٰلِکَ

بید نہیں کہ اللہ آپ کو تم سے بہتر ازواج عطا فرمادیں، چنانچہ ٹھیک ابھی الفاظ کے ساتھ قرآن نازل ہو گیا۔

میں نے موافقت کی اپنے رب کے ساتھ تین چیزوں میں ایک یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مقام ابراہیمؑ کو اپنی جائے نماز بنالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مَعْصٰتِیْ اُوْر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہر نیک و بد انسان آتا ہے، بہتر ہو کہ آپ ان کو پردہ کرالیں، اس پر آیت حجاب نازل ہو گئی۔ اور جب ازواج مطہرات میں باہمی بغیرت و رشک پڑی لگا تو میں نے ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دیدیں تو

فائدہ کا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے کلام میں ادب قابلِ نظر ہے کہ بظاہر کہنا یہ تھا کہ تم جن چیزوں میں میرے رب نے میری موافقت فرمائی۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری میں یہ آیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آیت حجاب کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیوں کہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا جب کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نکاح کے بعد رخصت ہو کر حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں، اور مکان میں آپؐ کے ساتھ موجود تھیں۔ آپؐ نے ولیمہ کے لئے کچھ کھانا پکوا یا اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جمع کر آپس میں باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، اور اہل المؤمنین زینبؓ بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیا کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں کے اس طرح دربر تک بیٹھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری ازواج مطہرات کے پاس ملاقات و سلام کے لئے تشریف لے گئے، جب آپؐ پھر گھر میں واپس آئے تو یہ لوگ وہیں موجود تھے۔ آپؐ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا تو منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لائے تو تھوڑا سا وقت گذرا تھا کہ آپؐ پھر باہر تشریف لائے۔ یہ وہاں موجود تھا۔ آپؐ نے یہ آیت حجاب جو اسی وقت نازل ہوئی تھی پڑھ کر سنائی، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْلُوا بِهِنَّ الْاَلْبَسَاتِ** (الاحزاب: ۵۹)۔

حضرت انسؓ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ میں ان آیات کے نزول میں سب سے زیادہ قریب ہوں، کہ میرے سامنے ہی نازل ہوئی ہیں (الترمذی، کتاب التفسیر)۔

آیات حجاب کے نزول کے اسباب میں یہ تین واقعات روایات حدیث میں مذکور ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا جو کہ تینوں واقعات کا مجموعہ ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنا ہو۔

تیسرا حکم | ازدواج مطہرات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی نکاح جائز نہیں، وَمَا كَانَ تَحْکُمُ أَنْ يُعْذَرَ وَارَسُولُ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَحْکُمُوا أَنْزَلَ وَأَجَلٌ مِنْ بَعْدِ آيَاتِهِ، اس کے پہلے جملے میں تو عام الفاظ میں ایسے ہر قول و فعل کو حرام کر دیا گیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف پہنچے، اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ آپ کی ازدواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد کسی کا نکاح حلال نہیں۔

آیت مذکورہ میں اوپر جتنے احکام آئے ہیں ان میں اگرچہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کو ہوا ہے، مگر حکم عام ہے ساری امت کے لئے، بجز اس آخری حکم کے کہ عام امت کے لئے قانون یہ ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد جب عدت گزر جائے تو اس کی بیوی دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے، ازواج مطہرات کے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ وہ آپ کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بعض مشرکان اقبہات المؤمنین ہیں، اور اگرچہ اُن کے اقبہات ہونے کا اثر ان کی اولادِ روحانی پر نہیں پڑتا کہ وہ سب بہن بھائی ہو کر باہم نکاح نہ کر سکیں، مگر ان کی اپنی ذات کی حد تک امتناعِ نکاح کا حکم درگیا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسا کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو، اسی لئے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسی بنا پر آپ کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔

یہ حکمت بھی ہے کہ شرعی قاعدے سے جنت میں ہر عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حلیفہ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میری بیوی رہو تو میرے بعد کوئی دوسرا نکاح نہ کرنا، کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی (قرطبی)

اس لئے ازواجِ مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپس کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے اس کو آخرت اور جنت میں بھی باقی رکھنے کے لئے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ طبعی طور پر کوئی شوہر اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی دوسرے کے نکاح میں جائے، مگر اس طبعی خواہش کا پورا کرنا عام لوگوں کے لئے شرعاً ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طبعی خواہش کا بھی حق تعالیٰ نے احترام فرمایا، یہ آیت کا خصوصی اعزاز ہے۔

مسئلہ: اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جوازِ واجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے حرم میں رہیں اُن سب کا یہی حکم ہے، لیکن جن کو آپ نے طلاق دیدی، یا کسی دوسری وجہ سے وہ آپ کی زوجیت سے علیحدہ ہو گئیں اُن کے بارے میں فقہاءِ امت کے مختلف اقوال ہیں، جن کو قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح سے ایذا و تکلیف پہنچانا یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازدواج سے نکاح کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔

اِنَّ مَعْصُوْمًا وَ شَيْئًا اَوْ تَخْطُفُ مِنْ قِيَانِ اللّٰهِ كَانَتْ شَيْءًا عَظِيْمًا آخِر آیت میں پھر اس معصوم کو ڈھرا گیا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے ارادوں اور خیالات سے بھی واقف ہے، ہم کسی چیز کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب ظاہر ہی ہے۔ اس میں تاکید ہے کہ مذکورہ صدر احکام میں کسی قسم کا شک و شبہ یا دوسوہ دل پیدا نہ ہونے دیں، اور احکام مذکورہ کی مخالفت سے بچنے کا پورا اہتمام کریں۔

آیت مذکورہ میں تین احکام بیان کئے گئے ہیں، ان میں عورتوں کے پردہ کا مسئلہ کئی وجہ سے تفصیل طلب ہو، اس لئے بعد ضرورت لکھا جاتا ہے۔

احکام حجاب

السرد فواحش کا اسلامی نظام

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی اُن مہلک برائیوں میں سے ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل و غارت گری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی بُرائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔

دنیا کے اس آخری دور میں یورپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود و اقدار قدیم و قدیم روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا، اور تمدن و معاشرے کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انار کی اور فواحش کو دعوت عام ہو، مگر ان کے شرارت و نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے۔ بھمت فروشی، زنا باجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جن کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوخہ کا ذخیرہ جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگائے، اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگانے

اور روکنے کی فکر کرے، ہنڈیا پکانے کے لئے اس کے نیچے آگ جلائے پھر اس کے اُبال اور جوش کو روکنا چاہے۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دیکر قابل سزا جرم کہا ہے، ان کے مقدمات پر بھی پابندیاں عائد کیں، اور ان کو ممنوع قرار دیا کہ اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نہی رکھنے کے قانون سے شریع کیا، عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، عورتوں کو گھر دکن کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا ملنی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگانا یا بھجے والا زون پہن کر نکلنے کی ممانعت کی۔ پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو چھاندا کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

اہل یورپ اور ان کے مقلدین نے اپنی فحاشی کے جواز میں عورتوں کے پردہ کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور پردہ پہننے کے فوائد پر بحثیں کی ہیں۔ ان کا مفصل جواب بہت سے علماء اہل عصر نے مفصل کتابوں میں لکھ دیا ہے، اس کے متعلق یہاں اتنا سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ فائدہ اور نفع سے تو کوئی جرم و گناہ بھی خالی نہیں۔ چوری، ڈاکہ، دھوکہ فریب ایک اعتبار سے بڑا نفع بخش کاروبار ہے، مگر جب اس کے ثمرات و نتائج میں آنے والی مہلک مضر تین سامنے آتی ہیں تو کوئی شخص ان کو نافع کاروبار کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بے پردگی میں اگر کچھ معاشی فوائد بھی ہوں مگر جب پورے ملک و قوم کو ہزاروں فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے تو پھر اس کو نافع کہنا کسی دانشمند کا کام نہیں ہو سکتا۔

انسداد جرائم کے لئے اسلام جس طرح اصول عقائد، توحید، رسالت، آخرت، تمام انبیاء میں سب ذرائع کا زریں اصول، علیم السلام کی شرائط میں مشرک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں اور اس میں راہ اعتدال، اسی طرح عام معاصی اور فواحش و مستکرات ہر شریعت مذہب میں حرام قرار دیتے گئے ہیں، لیکن شرائط سابقہ میں ان کے اسباب و ذرائع کو مطلقاً حرام نہیں کیا گیا تھا جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہو جائے۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت تھی، اس لئے اس کی حفاظت کا مجانب اللہ خاص اہتمام یہ کیا گیا کہ جرائم و معاصی تو حرام تھے ہی

ان اسباب و ذرائع کو بھی حرام قرار دیدیا گیا جو عادت غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہنچانے والے ہیں مثلاً شراب نوشی کو حرام کیا گیا تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے اور کسی کو دینے کو بھی حرام قرار دیدیا گیا سو کو حرام کرنا تھا تو سو دے ملتے جلتے معاملات کو بھی ناجائز کر دیا گیا۔ اسی لئے حضرات فقہاء نے تمام معاملات فاسدہ سے حاصل ہونے والے نفع کو سود کی طرح مالِ غنیمت قرار دیا۔ شرک و بت پرستی کو شرک آنِ ظلم عظیم اور ناقابلِ معافی جہنم قرار دیا، تو اس کے اسباب و ذرائع پر بھی کڑی پابندی لگا کر آفتاب کے طلوع، غروب، اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چونکہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، ان اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہو جاتی، پھر یہ مشابہت کسی وقت خود شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لئے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام دیا جائے کر دیا۔ بتوں کے مجسمات اور تصویروں پر چونکہ بت پرستی کا قریب ذریعہ تھیں، اس لئے بت تراشی، اور تصویر سازی کو حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کر دیا گیا۔

اسی طرح جبکہ شریعت نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب قریب اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کر دیا، کسی اجنبی عورت یا آفریدہ شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا، اس کا کلام سننے کو کالوں کا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا، اس کے لئے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا قرار دیا، جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے، اپنی جرائم سے بچانے کے لئے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل ہوئے۔

مگر اسباب و ذرائع کا قریب و بعید ایک طویل سلسلہ ہے، اگر دُر تک اس سلسلے کو روکا جائے تو زندگی دشوار ہو جائے، اور عمل میں بڑی تنگی پیش آجائے، جو اس شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کا اس کے بارے میں کھلا ہوا اعلان یہ ہے کہ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ یعنی دین میں تمھارے اوپر کوئی تنگی نہیں لگائی اس لئے اسباب و ذرائع کے معاملے یہ حکیمانہ فیصلہ کیا گیا کہ جو افعال و اعمال کسی معصیت کا ایسا سبب قریب ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے اس کا ارتکاب کرنے والا اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو ہی جاتا ہے، ایسے اسباب قریبہ کو شریعت اسلام نے اصل معصیت کے ساتھ لٹچ کر کے ان کو بھی حرام کر دیا، اور جو اسباب بعیدہ ہیں کہ ان کے عمل میں لانے سے معصیت میں مبتلا ہونا عادت لازم و ضروری تو نہیں، مگر کچھ دخل معصیت میں ضرور ہے ایسے اسباب و ذرائع کو مکروہ قرار دیا۔

اور جو اسباب ان سے بھی زیادہ بعید ہیں کہ معصیت میں ان کا دخل شاذ و نادر ہے ان کو نظر انداز کر کے مباحات میں داخل کر دیا۔

پہلے مسئلہ کی مثال شراب فروشی ہے کہ یہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس کو بھی شریعت نے اسی طرح حرام کر دیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اگرچہ عین زنا نہیں، مگر اس کا سبب قریب ہو شریعت اس کو اسی کی طرح حرام قرار دیدیا۔

اور دوسرے مسئلے کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے اس کا پیشہ ہی ہے یا اس نے صراحتہ کہہ دیا ہے کہ میں اس کام کے لئے خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں حرام تو نہیں مگر مکروہ و ناجائز یہ بھی ہے۔ یہی حکم سینما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین مکان کرایہ پر دینے کا ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ مکان کو ناجائز کام کے لئے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

تیسرے درجہ کی مثال یہ ہے کہ عام لوگوں کے ہاتھ انگور فروخت کئے جائیں جن میں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے شراب کشید کر لے مگر نہ اس نے اس کا اہتمام کیا نہ ہمارے علم میں وہ ایسا شخص ہو جو شراب کشید کرتا ہو تو شرعاً اس طرح کی بیع شراب مباح و جائز قرار دی۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں میں تنبیہ ضروری کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول کا قرار دے کر حرام کر دیا، اس حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتلا گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

اس تہدید کے بعد یہ سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ بھی شرعاً اسی سہ ذرائع کے مہل پر مبنی ہے کہ ترک پردہ سبب ہے معصیت میں مبتلا ہونے کا، اس میں بھی اسباب کی مذکورہ قسموں کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً کسی جوان مرد کے سامنے جو ان عورت کو اپنا بدن کھولنا ابتلا گناہ کا ایسا سبب قریب ہے کہ عادت اکثر یہ کے اعتبار سے اس پر گناہ کا مرتب ہونا لازمی جیسا ہے، اس لئے یہ تو شرعاً زانی کی طرح حرام ہو گیا، کیونکہ شرعاً اس عمل کو حکم فاحشہ کا دیدیا گیا ہے، اب وہ مطلقاً حرام ہے۔ اگرچہ معاملہ کسی معصوم کے ساتھ ہو یا کوئی شخص اپنے نفس پر مکمل قابو رکھنے کی وجہ سے

مطمن ہو کر گناہ سے بچ جائے گا۔ مواقع ضرورت علاج وغیرہ کا مستثنیٰ ہونا الگ چیز ہے، اس سے اصل حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ مسئلہ اوقات اور حالات سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔
قرن اول اسلام میں بھی اس کا حکم وہی تھا جو آج فسق و فجور کے زمانے میں ہے۔
دوسرا درجہ ترک حجاب کا یہ ہو کہ گھروں کی چار دیواری سے باہر برقع یا لائیں چادر سے پورا بدن چھپا کر باہر نکلے۔ یہ سبب بید ہے فتنہ کا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایسا کرنا سبب فتنہ ہو تو ناجائز ہے اور جہاں فتنہ کا خوف نہ ہو وہاں جائز ہے۔ اسی لئے اس کا حکم زمانے اور حالات کے بدلنے سے بدل سکتا ہے۔ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح کا عورتوں کا خروج موجب فتنہ نہیں تھا، اسی لئے آپ نے عورتوں کو برقع وغیرہ میں ادا بدن چھپا کر مسجدوں میں آنے کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دی تھی، اور ان کو مسجد میں آنے سے روکنے کو منع فرمایا تھا اگرچاس وقت بھی ان کو ترغیب اسی کی دی تھی کہ نماز اپنے گھروں میں ادا کریں، کیونکہ ان کے لئے مسجدوں میں آنے سے زیادہ ثواب گھر میں پڑھنے کا ہے، مگر فتنہ کا خوف نہ ہونے کے سبب منع نہیں فرمایا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے دیکھا کہ اب عورتوں کا مسجدوں میں آنا فتنہ سے خالی نہیں رہا، اگرچہ برقع چادر وغیرہ لپیٹ کر آئیں، تو ان حضرات نے باجماع و اتفاق عورتوں کو مسجدوں کی جماعت میں آنے سے روک دیا۔ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کے حالات کو دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے مختلف نہیں، بلکہ آپ نے جن شرائط کی بناء پر اجازت دی تھی، اب شرائط نہ رہیں تو حکم آپ ہی کے فیصلے سے بدل گیا۔

عورتوں کے پردہ کا بیان قرآن کریم کی سات آیتوں میں آیا ہے۔ تین سورۃ نور میں گزر چکی ہیں، چار آیتیں سورۃ احزاب میں ہیں، جن میں سے ایک پہلے آچکی ہے، ایک زیر نظر ہے باقی آگے آئیں گی، جن میں پردہ کے درجات کی تعیین اور احکام کی تفصیل اور جو اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کا مفصل بیان ہے۔ اسی طرح ستر سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قولاً اور عملاً پردہ کے احکام بتلاتے گئے ہیں، ان سب کو یک جا معلوم کرنے کے لئے احقر نے ایک مستقیل رسالہ بنام "تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب" لکھ دیا جو زبان عربی احکام القرآن سورۃ احزاب کا جز ہو کر شائع ہو چکا ہے اس تفسیر قرآن میں ہر آیت کی تفسیر تو اپنی جگہ پر آتی ہے باقی مضامین سالک چند ضروری اقتباسات یہاں لکھ جاتے ہیں۔

نزول حجاب کی تاریخ

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا، اور صرف اہل شریعت ہی نہیں دنیا کے علم شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہی بتلائی جاتی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے جہوم میں گھسنا پسند نہ کیا، سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی۔ حضرت زینب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی آیت حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے وَجَّعَ مَوَیِّتَهُ وَجَّعَهَا إِلَى الْحَاظِطِ، یعنی وہ اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں نہیں نہ تھا۔ قرآن کریم میں جس جاہلیت اولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لوتڑیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے۔ ہندوستان میں ہندو بدھ مت، اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا۔ یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریدہ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد و زن کے بے تکلف اختلاط مضائقہ اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یوروپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں کے الگ ٹھکانے رہنے اور ستر پر آمادہ کرتی ہے۔ اور یہ فطری اور طبی حیاء کا پردہ عورتوں مردوں

کے درمیان ابتداء آفریش سے حاصل رہا ہے، ابتداء اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی۔ پردہ نسوان کی یہ خاص نوعیت کہ عورتوں کا اصل مقام گھروں کی چار دیواری ہو، اور جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلتا ہو تو پورے بدن کو چھپا کر نکلیں یہ ہجرت مدینہ کے بعد شہہ ہجری میں جاری ہوا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ باتفاق علماء امت اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے لَا تَخْرُجْنَ اٰیٰتُکُمُ الْمَلٰٓئِیْہِ اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحش کے نکاح اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ اس نکاح کی تاریخ میں حافظ ابن حجر نے اصحاب میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں دو قول نقل کئے ہیں کہ شہہ ہجری میں ہوا یا شہہ ہجری میں ہوا۔ ابن کثیر نے شہہ ہجری کو ترجیح دی، ابن سعد نے حضرت انسؓ سے بھی شہہ ہجری نقل کیا ہے، حضرت صدیقہ عائشہؓ کی بعض روایات سے بھی اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

آیت مذکورہ میں عورتوں کو پس پردہ رہنے کا حکم دیا اور مردوں کو حکم یہ ملا کہ اگر ان سے کوئی چیز مانگنا ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگیں۔ اس میں پردہ کی خاص تاکید پائی گئی کہ بلا ضرورت تو مردوں عورتوں کو الگ ہی رہنا ہے، ضرورت کے وقت ان سے بات کرنا ہو تو پس پردہ کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں پردہ نسوان اور اس کی تفصیلات کے متعلق سات آیتیں نازل ہوئی ہیں، چار سورۃ احزاب میں اور تین سورۃ نور میں گذر چکی ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردہ کے متعلق سب سے پہلے نازل ہونے والی ہی آیت ہے لَا تَخْرُجْنَ اٰیٰتُکُمُ الْمَلٰٓئِیْہِ وَلَا اَنْ تَخْرُجْنَ تَخْفَیْنَ عَلَیْکُمُ الْاَلٰیۃُ سورۃ نور کی تینوں آیتیں اور سورۃ احزاب کے شروع کی آیت جس میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں بیٹھیں، وَ قَدْ وَفَّیْہِمْ نِسْوَتُہُنَّ، یہ سب اگرچہ ترتیب قرآن میں پہلے ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہیں۔ سورۃ احزاب کی پہلی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا ہے جب کہ ازواج مطہرات کو منجانب اللہ اختیار دیا گیا تھا کہ اگر دنیا کی وسعت چاہتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لے لیں، اور آخرت کو ترجیح دے کر دنیا کی معیشت میں موجودہ حالت پر قناعت کریں تو نکاح میں رہیں۔

اس واقعہ تخیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ جن ازواج کو یہ اختیار دیا گیا تھا ان میں حضرت زینب بنت جحش بھی شامل تھیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا نکاح اس

آیت سے پہلے ہو چکا تھا، یہ آیت بعد میں نازل ہوئی، مگر اسی طرح سورۃ نور کی آیتیں جن میں پردہ کے متعلق تفصیلات ہیں، یہ اگرچہ ترتیب قرآنی میں مقدم ہیں مگر نزول کے اعتبار سے وہ بھی اس کے بعد قصہ انک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں، جو غزوہ بنی المصطلق یا مرتبہ سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ یہ غزوہ سلسلہ ہجری میں ہوا ہے۔ اور پردہ شرعی کے احکام اس وقت سے جاری ہوئے ہیں جبکہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں آیت پردہ نازل ہوئی، سورۃ نور کی آیات متعلقہ حجاب سورۃ نور میں گذر چکی ہیں۔

سورۃ احزاب مرد و عورت کا وہ حصہ بدن جس کو عربی میں عورت اور اردو فارسی میں ستر اور حجاب نسوانی فرق کہتے ہیں جن کا سب سے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے،

اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے، وہ ستر عورت یعنی اعضا مسکوتہ کا چھپانا ہے۔ یہ فریضہ تو ابتداء آفریش سے فرض ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے، بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھالینے کے سبب حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ستر کھل گیا تو وہاں بھی آدم علیہ السلام نے ستر کھلا رکھنے کو جائز نہیں سمجھا۔ اسی لئے آدم و حوا دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لئے طٰہٰتِیٰۃً یٰحٰصِبٰنِ عَلَیْہِمَا مِنْ ذُرِّیِّ النَّجْوٰتِہِ کا یہی مطلب ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر پیغمبر دین کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے۔ اعضا مستورہ کی تعیین اور تحدید میں اختلاف ہو سکتا ہے، کہ ستر کہاں سے کہاں تک ہے، مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام شرائع انبیاء میں سلسلہ ہے، اور یہ فرض ہر انسان مرد و عورت پر ہی نفس عامہ ہے، کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو اسی لئے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے حالانکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو، تو یہ منہار بالافتقار ناجائز ہے، حالانکہ اس کو ننگا کسی نے دیکھا نہیں مگر الرائق اسی طرح نماز اگر کسی ایسی جگہ پڑھی جہاں کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہیں اس وقت بھی اگر نماز میں ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (کافی عامۃ کتب الفقہ)

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں۔ (کافی البحر عن شرح المنیہ)

یہ حکم تو ستر عورت کا تھا، جو اول اسلام سے جبکہ اول آفریش سے تمام مشرکین انبیاء میں فرض رہا ہے، جس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ غلوت و جلوت میں بھی برابر ہیں، جیسے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں، ایسے ہی خلوت و تنہائی میں بھی بلا ضرورت ننگا ہونا جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ، حجاب اور پردہ کا ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں۔ اس مسئلہ میں بھی اتنی بات تو انبیاء و صلحاء اور مشرفاء میں ہمیشہ سے رہی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ عورتوں کا بے محابا اختلاط نہ ہو۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں کا قصہ جو قرآن کریم میں پڑھا ہے اس میں لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے بقی کے کنوئیں پر گئیں جہاں لوگوں کا ہجوم تھا وہ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے تو قرآن کریم میں ہے کہ یہ لڑکیاں ایک طرف الگ کھڑی ہو گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کا اس وقت اتفاقی طور پر مسافر انداز میں وہاں گذر ہوا تو ان لڑکیوں کو علحدہ کھڑے دیکھ کر سبب پوچھا تو لڑکیوں نے دو باتیں بتلائیں۔

اول یہ کہ اس وقت یہاں مردوں کا ہجوم ہے ہم اپنے جانوروں کو پانی اس وقت پلاتیں گے جب یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے۔

دوسری بات یہ بھی بتلائی کہ ہمارے والد بوڑھے ضعیف ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نکلنا یہ عورت و عادت کے اعتبار سے عورتوں کا کام نہیں تھا، مگر والد کے ضعف و مجبوری اور کسی دوسرے آدمی کے موجود نہ ہونے کے سبب یہ کام ہمیں کرنا پڑ گیا۔

یہ حال قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا بتلایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے اور ان کی شریعت میں بھی عورتوں مردوں کا دوش بدوش چلنا اور بے محابا اختلاط پسند نہیں تھا، اور ایسے کام جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط ہو وہ عورتوں کے سپرد ہی نہیں کئے جاتے تھے۔ بہر حال اس مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو باقاعدہ پردہ میں رہنے کا حکم اس وقت نہیں تھا، اسی طرح ابتداء اسلام میں بھی یہی صورت جاری رہی۔ مسئلہ حیا مشہد میں عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا فرض کر دیا گیا، جس کی تفصیلات آگے آتی ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ستر عورت، اور حجاب نساء یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں ستر عورت ہمیشہ سے فرض ہے، حجاب نساء شہہ ہجری میں فرض ہوا۔ ستر عورت

مرد و عورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں۔ یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت سے باجماع مستثنیٰ ہیں، اسی لئے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں تو نماز بالاتفاق و باجماع جاہل ہے۔ چہرہ اور ہتھیلیاں تو از روئے نص مستثنیٰ ہیں، قدحین کو فقہاء نے ان پر قیاس کر کے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

لیکن اجنبی مردوں سے پردہ میں بھی چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل سورۃ نور کی آیت لَا یُبَیِّنُ یُنَ ذَیْکُمْہُنَّ إِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْہُمْ کے تحت گزر چکی ہے، جس کا خلاصہ آگے آتا ہے۔

حجاب شرعی کے درجات اور پردہ نسوان کے متعلق قرآن مجید کی سات آیات اور حدیث ان کے احکام کی تفصیل کی ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب

شرعی حجاب اشخاص ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھر کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا جتنی صورتیں حجاب کی منقول ہیں وہ سب ضرورت کی بناء پر اور وقت ضرورت اور قدر ضرورت کے ساتھ مقید اور مشروط ہیں۔

اس طرح پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہجرت میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اس کے لئے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن و سنت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لائبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لئے چادر میں سے صورت ایک آنکھ کھولیں، یا برقع میں جو جانی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگائیں، ضرورت کے مواقع میں پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء و فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

ایک تیسرا درجہ بھی بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے، جس میں صحابہ و تابعین اور فقہاء ائمت کی رائیں مختلف ہیں۔ وہ یہ کہ عورتیں جب بضرورت گھر سے باہر نکلیں تو

وہ اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی لوگوں کے سامنے کھول سکتی ہیں بشرطیکہ سارا بدن مستور ہو، پردہ شرعی کے ان تینوں درجوں کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۔

پہلا درجہ حجاب اشخاص باللبوس قرآن و سنت کی رو سے اصل مطلوب یہی درجہ ہی سورۃ احزاب کی زیر بحث آیت **وَلَا تَسْلُكُنَّ مَنَاسِكًا تَأْخُذُكُمْ وَلَٰكِنَّ تَخْتَصِمَنَّ** کا شروع کی آیت **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** ہو۔ ان آیتوں پر جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا، اس سے اور زیادہ اس کی تشریح سامنے آجاتی ہے۔

یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ پردہ نسواں کے متعلق پہلی آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت نازل ہوئی، روایات حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس واقعہ حجاب کو اور سب سے زیادہ اس لئے جانتا ہوں کہ میں اس وقت حضور مکی خدمت میں موجود تھا۔ جب پردہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، تو آپ نے مردوں کے سامنے ایک چادر وغیرہ کا پردہ ڈال کر حضرت زینبؓ کو اندر مستور کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ ان کو برقع یا چادر میں مستور کر دیتے، شان نزول میں جو واقعہ حضرت عمر بن خطابؓ کا اوپر گزر چکا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ اہل المؤمنین مردوں کی نظروں سے الگ اندر رہیں۔ جیسا کہ ان کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے **يَنْحُلْنَ عَلَيْكَ الْقُبُورَ وَالْأَفْجَارَ**

صحیح بخاری باب غزوہ موتہ میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب عارثہ اور جعفرؓ اور عبد اللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ مسجد نبویؐ میں تشریف رکھتے تھے، آپ کے چہرہ مبارک پر سخت غم و صدمہ کے آثار تھے، میں حجرہ کے اندر دروازہ کی ایک شق (ریخ) سے یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اُم المؤمنینؓ اس حادثہ کے وقت بھی باہر آکر برقع کے ساتھ مجمع میں شامل نہیں ہوئیں بلکہ دروازہ کی شق سے اس جلسہ کا مشاہدہ کیا۔

اور صحیح بخاری کتاب المغازی عمرہ القضاء کے باب میں ہے کہ حضرت عروہ ابن ابی صدفہؓ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور عبد اللہ بن عمرؓ مسجد نبویؐ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کے حجرے کے باہر مقیم تشریف رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کے متعلق باہم گفتگو کر رہے تھے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ اسی درمیان میں ہم نے حضرت صدیقہؓ کی مسواک کرنے اور حلق صاف کرنے کی آواز حجرہ کے اندر سے سنی۔ آگے واقعہ میں

عمرات نبیؐ کا ذکر ہے۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آیات حجاب نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات کا معمول یہ ہو گیا تھا کہ گھروں میں رہ کر پردہ کرتی تھیں۔

اسی طرح صحیح بخاری باب غزوۃ الطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بانی کے برتن میں کٹی کر کے حضرت ابوموسیٰؓ اور بلالؓ کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں۔ اہل المؤمنین حضرت ام سلمہؓ پر پردہ کے چھپے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انھوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی اُم سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ نزولِ حجاب کے بعد ازواجِ مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ ۴: اس روایت میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان۔ یہ بھی آپ کی ذاتِ اقدسؐ ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادتاً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ اور ابو طلحہؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسٹا کہیں جا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ کے ساتھ اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں، راستہ میں اچانک اونٹ کے ٹھوکر لگی، اور ابو طلحہؓ کے بیان کے مطابق آپؐ اور حضرت صفیہؓ اونٹ سے گر گئے تو ابو طلحہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، تم عورت کی خبر لو، ابو طلحہؓ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا، پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر پڑا ڈال ڈالا تو وہ کھڑی ہو گئیں۔ پھر اسی طرح پردہ میں مستور ان کو ان کی سواری پر سوار کیا۔

اس واقعہ میں بھی جو ایک حادثہ کی صورت میں اچانک پیش آیا، صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کا — پردہ کے معاملہ میں اتنا اہتمام اس کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے۔ اور جامع ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اِذَا خَرَجْتَ الْمَرْءُ اَلَا اسْتَشْرَفَ فَعَمَّا الشَّيْطَانِ** **رَقَالَ النَّوْمَانِي** **هَذَا سَيِّئٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ** (یعنی یہ ہیں کہ عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تک لپٹتا ہے) (یعنی اس کو مسلمانوں میں بُرائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں، "وَأَقْرَبُ مَا تَكُونُ مِنْ دُجَاهِهِ تَكُونُ فِي قَعْرِ بَيْتِنَا" یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔"

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لَيْسَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ فِي الْأَمْوَالِ إِلَّا مَا مَصْرَفَتْ" (رداء الطبرانی کذا فی الکنز ص ۲۶۳، ۸۲) "یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آجائے۔"

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے صحابہ کرامؓ سے سوال فرمایا "أَيُّ شَيْءٍ يُجِبُّ لِلْمَرْأَةِ (عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے) صحابہ کرامؓ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا "لَا يَزِيدُنِي السِّرُّ بَعْدَ مَا لَا يَزِيدُنِي" (یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد ان کو دیکھیں) میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ نے فرمایا "هَئِذَا مَصْرَفَتْ" (یعنی انھوں نے درست کہا بیشک وہ میرا ایک جز ہیں)۔

واقعہ افک میں جو سبب حضرت صدیقہؓ کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ یہی تھا کہ ازواجِ مطہراتؓ کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا بلکہ وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شعف) میں رہتی تھیں، یہ شعف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا۔ شعف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے۔ اس واقعہ میں جب فاطمہؓ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شعف کو یہ سمجھ کر اوٹ پر سوار کر دیا کہ ام المؤمنین اس کے اندر موجود ہیں، اور واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں، بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں۔ اس مخالفہ میں فاطمہؓ روانہ ہو گیا اور ام المؤمنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔ یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور ازواجِ مطہراتؓ نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکالوں میں، سفر میں ہوں تو انہیں شعف میں رہیں، ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے، اور جب سفر کی حالت میں حجابِ اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضرتؓ میں کتنا اہتمام ہو گا؟

دوسرا درجہ حجاب بالبرقع

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔ یہ سورۃ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آ رہی ہے، "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءُواكَ وَنَسَاؤُا أَوْ نِسَاؤُا يُنَاسِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيشٍ يَنْبَغِي لِهِنَّ أَنْ يَلْبَسْنَ" (یعنی اے نبی! آپ اپنی ازواجِ مطہراتؓ اور بناتِ طاہراتؓ کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب پہن کر کریں، جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے (ردی ذلک عن ابن عباسؓ)۔

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے استعمالِ جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپیٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ کھلتی دیکھنے کے لئے کھلی ہو۔ اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے، یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ ضرورت کے مواقع میں جب عورت گھر سے نکلے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

یہ صورت بھی باتفاق فقہاءِ اہل سنت ضرورت کے وقت جائز ہے، مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند باندیاں عائد کی ہیں، کہ خوشبو نہ لگائے ہو، نہ بچنے والا کوئی زلیو نہ پہنا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔ یہ سب سر سے پیر تک سارا بدن مستور ہو، مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں، جن حضرات نے "إِلَّا مَا ظَهَرَ" کی تفسیر چہرے اور ہتھیلیوں سے کی ہے، ان کے نزدیک چونکہ چہرہ اور ہتھیلیاں حجابِ مستثنیٰ ہوتی ہیں، اس لئے ان کو کھلا رکھنا جائز ہو گیا۔ (کماری عن ابن عباسؓ)۔

تیسرا درجہ پردہ شرعی کا جس میں فقہاء کا اختلاف ہے

اور جن حضرات نے ناظر سے برقع، جلباب وغیرہ مراد لی ہے وہ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ (کماری عن ابن مسعودؓ) جنھوں نے جائز کہا ہے ان کے نزدیک بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو، مگر چونکہ عورت کی زینت کا سامرا مرکز اس کا چہرہ ہے، اس لئے اس کو کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہونا شاذ و نادر ہے، اس لئے انجامِ کار عام حالات میں ان کے نزدیک بھی چہرہ وغیرہ کھولنا جائز نہیں۔

اممہ اربعہ میں سے امام مالکؒ شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، تین اماموں نے تو پہلا درجہ اختیار کر کے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں دی، خواہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

نہ ہوا، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اگرچہ دوسرا مسلک اختیار فرمایا مگر خوف فتنہ کا نہ ہونا شرط قرار دیا، اور چونکہ عادیہ یہ شرط مفقود ہو اس لئے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور تنصیل یاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔

مذاہب ائمہ اربعہ کی روایتیں ان مذاہب کی مستند کتابوں کے حوالہ سے رسالہ تفصیل الخطاب جسے سزا احکام القرآن میں مفصل بیان کر دی گئی ہیں، حنفیہ کا اصل مذاہب چوتھے چہرے اور تنصیلوں کو حجاب مستثنیٰ ہونے کا ہے اس لئے اس جگہ مذاہب حنفیہ کی چند روایا نقل کی جاتی ہیں، جن میں بوجہ خوف فتنہ مانعت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

إِعْلَمُوا أَنَّهُ لَا مُكَلَّفَ مَعَ بَيْنٍ
تَوَدُّهُ لَيْسَ عَوْرَتُهُ وَجْهًا
النَّظَرُ إِلَيْهِ فَيُحِلُّ النَّظَرَ
مَنْ مَنَعَهُ عَنِ الْغَوْرَةِ وَلَيْزَ الْحُكْمُ
النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهَا وَوَجْهِ
الْأَمْرُ إِذَا شَلَّتْ فِي الشَّهْوَةِ
وَلَا عَوْرَتُهُ

(فتح القدیر، ص ۱۸۱ ج ۱)

فتح القدیر کی مذکورہ عبارت سے خطۂ شہوت کی یہ تفسیر بھی معلوم ہوگئی کہ اگرچہ بالفعل کوئی شہوانی نیت نہ ہو مگر ایسا خیال پیدا ہو جانے کا شک ہو۔ جب ایسا شک ہو تو نہ صرف اجنبی عورتوں کے بلکہ بے ریش لڑکوں کے چہرے کو دیکھنا بھی حرام ہے، اور خیال شہوت پیدا ہونے کی تشریح جامع الرموز میں یہ کی ہے کہ نفس میں اس کے قریب ہونے کا میلان پیدا ہو جائے، اور یہ ظاہر ہے کہ نفس میں اتنا میلان بھی پیدا نہ ہو، یہ چیز تو سلف کے زمانے میں بھی شاذ تھی۔ حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے تو اس زمانہ فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطر سے خالی ہے۔

اور شمس الامینہ سرخسی نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کے بعد لکھا ہے :

وَهَذَا أَكْلُهُ إِذَا كُنَّ يَكُنُّ النَّظَرُ
يَهْرُورُ وَتَحْيِيلُ يَكُنُّ النَّظَرُ

عَنْ شَهْوَةٍ فَإِنْ كَانَ يَحْكُمُ
أَنَّهُ لَنْ يَكُنَّ أَشْتَهَى
لَمْ يَحِلَّ لَهُ النَّظَرُ إِلَى
شَيْءٍ مِنْهُمَا

(مبسوط، ص ۱۵۲ ج ۱۰)

جائز ہونا صرف اس صورت میں ہو
جبکہ یہ نظر شہوت سے نہ ہو، اور اگر
دیکھنے والا جانتا ہے کہ چہرہ دیکھنے کو
بڑے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں تو اس
کو عورت کی کسی چیز کی طرف بھی نظر کرنا
حلال نہیں۔

اور علامہ شامیؒ نے رد المحتار کتاب الکراہیۃ میں فرمایا ہے :-

فَإِنْ خَالَاتِ الشَّهْوَةُ أَوْ شَقَّ
إِمْتِنَاعُ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِهَا
فَحِلُّ النَّظَرِ مُقَيَّنٌ بِإِذْنِ
الشَّهْوَةِ وَلَا إِحْرَامَ وَهَذَا
فِي زَمَانِهِمْ وَأَمَّا فِي زَمَانِنَا
فَمَنْعٌ مِنَ انْشَابَةِ إِلَّا النَّظَرُ
لِحَاجَةِ كَفَائِهِمْ وَشَاهِدٌ بِحُكْمِ
وَبَشِيرٌ وَأَيْضًا قَالَ فِي مُرَادِهِ
الْفَلُولَةِ وَتَمْنَعُ النَّشَابَةِ مِنْ
كُفِّهِ الرَّجُلِ بَيْنَ رَجَالٍ
لَا لِأَنَّهُ عَوْرَتُهُ بَلْ لِخَوْفِ
الْفِتْنَةِ

”اگر شہوت کا خطہ یا شک ہو تو عورت
کے چہرے کی طرف نظر ممنوع ہوگی،
کیونکہ نظر کا حلال ہونا شہوت نہ ہونے
کے ساتھ مشروط ہو، اور جب یہ شرط
نہ ہو تو حرام ہے، اور یہ بات سلف کے
زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں
مطلقاً عورت کی طرف نظر ممنوع ہے
مگر یہ کہ کسی حاجت شرعیہ کی وجہ سے
نظر کرنا پڑے، جیسے قاضی یا شاہد
جن کو کسی معاملہ میں اس عورت کے
متعلق شہادت یا فیصلہ دینا پڑے
اور شرط صلوات میں فرمایا کہ جو ان عورت کو (دیکھنے)

خلاصہ اس بحث و اختلاف فقہاء کا یہ ہو کہ امام شافعیؒ مالکؒ احمد بن حنبل رحمہم اللہ
نے جو ان عورت کی طرف نظر کرنے کو عادت عامہ کی بناء پر سبب فتنہ قرار دے کر اس
مطلقاً منع کر دیا، خواہ واقع میں فتنہ ہو یا نہ ہو، جیسے شریعت کے بہت سے احکام میں
اس کی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً سفر چہرہ کہ عادیہ مشقت و محنت کا سبب ہوتا ہے، اس کو
خود سفر ہی کو مشقت کا حکم ہے کہ تمام احکام رخصت کے سفر تحقیق ہونے پر دراز کر دے
خواہ کسی شخص کو سفر میں کوئی بھی مشقت نہ ہو، بلکہ اپنے گھر سے زیادہ آرام لے، مگر قصر نماز
اور رخصت روزہ وغیرہ کے احکام اس کو بھی شامل ہیں، اسی طرح نیند کی حالت میں
چونکہ انسان بے خبر ہوتا ہے اور عادیہ ریاخ خارج ہو جاتی ہیں، اس لئے خود نیند ہی کو

خروج ریح کے قائم مقام قرار دے کر میند سے وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیدیا خواہ واقع میں ریح خارج ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے عورت کے چہرے اور ہتھیلیاں کھولنے کو یہ درجہ نہیں دیا کہ چہرہ کھولنے ہی کو فتنہ کا قائم مقام قرار دیدیں، بلکہ حکم اس پر دائر رکھا کہ جہاں فتنہ یعنی عورت کی طرف قریب ہونے کے میلان کا خطرہ یا احتمال ہو وہاں منوع ہے اور جہاں یہ احتمال نہ ہو جائز ہے۔ مگر اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس زمانے میں ایسا احتمال نہ ہو بلکہ شاذ و نادر اس لئے متاحسین فقہاء حنفیہ نے بھی بالآخر وہ بھی حکم دیدیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا، کہ جو عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر منوع ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اب باتفاق ائمہ اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا منوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پوشے بدن کو چھپا کر مگر صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے۔ اس لئے اب پردے کے صرف پہلے ہی دو درجے رہ گئے، ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا، اور دوسرا یعنی برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کی بنا پر بوقت ضرورت و بقدر ضرورت۔

مسئلہ: پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں، مثلاً بعض مرد یعنی محارم پردہ سے مستثنیٰ ہیں اور بعض عورتیں مثلاً بہت بوڑھی وہ بھی پردے کے عام حکم کی قدر مستثنیٰ ہیں۔ ان کی تفصیل کچھ تو سورۃ نور میں گزر چکی ہے کچھ آگے سورۃ احزاب کی ان آیات میں آئے گی جن میں یہ استثناء مذکور ہوگا۔

پردہ کے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اپنے رسالہ تفصیل الخطاب فی احکام الحجاب کا کچھ خلاصہ یہاں لکھ دیا ہے جو عوام کے لئے کافی ہے، پوری تحقیق مطلوب ہو تو رسالہ مذکورہ میں دیکھی جاسکتی ہے، یہ رسالہ احکام القرآن تفسیر سورۃ احزاب میں شائع ہو چکا ہے۔ واللہ بحانہ و تعالیٰ اعلم

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو !

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۵۶

رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کر اور خوب سلام بھیجا کر و (تاکہ آپ کا حق عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو جائے)۔

معارف و مسائل

اس سے پہلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیات و امتیازات کا ذکر تھا جن کے ضمن میں ازواج مطہرات کے پردہ کا حکم آیا تھا، اور آگے بھی کچھ احکام پردے کے آئیں گے، درمیان میں اس چیز کا حکم دیا گیا جس کے لئے یہ سب خصوصیات و امتیازات رکھے گئے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اظہار اور آپ کی عظمت و محبت اور اطاعت کی ترغیب ہے۔

اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں، مگر اس کی تعبیر بیان میں اس طرح فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عمل صلوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا، جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرمادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں تو عام مؤمنین جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے شمار ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمایا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

صَلُّوۃ و سلام کے معنی لفظ صَلُّوۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، رحمت، دعا، مدد و ثناء، آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف نبوت صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے، اور فرشتوں کی طرف سے

صلوٰۃ ان کا آپ کے لئے دعا کرنا ہے، اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدد و ثناء کا مجموعہ ہے۔ عامہ مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے

اور اعلیٰ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے
 مدح و ثناء ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو بلند مرتبہ عطا
 فرمایا کہ اکثر مواقع اذان و اقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل
 کر دیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا، اور غالب کیا، اور آپ
 کی شریعت پر عمل قیامت تک جاری رکھا، اس کی بنا پر آپ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا مذہب حق تعالیٰ
 نے لے لیا۔ اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام مخلوق سے بلند والا کیا،
 اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ کو مقام شفاعت
 عطا فرمایا، جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے۔

اس معنی پر جو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں تو روایات حدیث کے مطابق
 آپ کے ساتھ آپ کے آل و اصحاب کو بھی شامل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مدح
 و ثناء میں آپ کے سوا کسی کو کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب درج المعانی وغیرہ
 میں یہ دیا گیا ہے کہ تعظیم اور مدح و ثناء وغیرہ کے درجات بہت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے، اور ایک درجہ میں آل و اصحاب اور عام مؤمنین
 بھی شامل ہیں۔

اور ایک لفظ صلوٰۃ سے بیک وقت متعدد معنی رحمت، دعا،
 ایک شبہ کا جواب تعظیم و ثناء مراد لینا جو اصطلاح میں عمومی مشترک کہلاتا ہے،
 اور بعض حضرات کے نزدیک وہ جائز نہیں، اس لئے اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ لفظ
 صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی لئے جائیں، یعنی آپ کی تعظیم اور مدح و ثناء اور خیر خواہی
 پھر یہ معنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو اس کا حاصل رحمت ہوگا، اور فرشتوں
 کی طرف منسوب ہوں تو دعا و استغفار ہوگا، عام مؤمنین کی طرف منسوب کیا جائے تو
 دعا اور مدح و ثناء و تعظیم کا مجموعہ ہوگا۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی سلامتہ ہے، جیسے سلام بمعنی ملائت مستعمل ہوتا ہے۔
 اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے۔ اور اِسْلَامٌ عَلَیْکَ کے معنی
 یہ ہیں کہ نقائص اور آفات سے سلامتی آپ کے ساتھ رہے۔ اور عربی زبان کے قاعدے
 یہاں حرف غنی کا موقع نہیں، مگر چونکہ لفظ سلام معنی ثناء کو منحصر ہے، اس لئے
 حرف غنی کے ساتھ عَلَیْکَ یا عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے،

کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے تو مراد اِسْلَامٌ عَلَیْکَ کی یہ ہوگی کہ اللہ
 آپ کی حفاظت و رعایت پر متولی اور کفیل ہے۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ سب کتب حدیث میں یہ حدیث آئی ہے
 صلوٰۃ و سلام کا طریقہ کہ حضرت کعب بن عجرہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی
 تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آیت میں ہیں دو چیزوں کا
 حکم ہے صلوٰۃ اور سلام، سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اِسْلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ
 کہتے ہیں، صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی
 مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِِسْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِِسْرٰہِیْمَ اِنَّکَ تَعْمَلُ الْخَیْرَ
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِِسْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِِسْرٰہِیْمَ
 اِنَّکَ تَجْعَلُ الْخَیْرَ کَمَا تَشَآءُ اور دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں۔

اور صحابہ کرام کے سوال کرنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان کو سلام کرنے کا طریقہ تو شہد
 (یعنی الخیات) میں پہلے سکھا یا جا چکا تھا کہ اِسْلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
 وَبَرَکَاتُہُ کہا جائے، اس لئے لفظ صلوٰۃ میں انھوں نے اپنی طرف سے الفاظ مقرر کرنا نہ
 نہیں کیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے الفاظ صلوٰۃ متعین کرائے۔

اسی لئے نماز میں عام طور پر اپنی الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا، مگر یہ کوئی ایسی چیز
 نہیں جس میں تبدیلی ممنوع ہو، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ یعنی درود
 کے بہت سے مختلف صیغے منقول و ماثور ہیں صلوٰۃ و سلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے
 ہو سکتی ہے جس میں صلوٰۃ و سلام کے الفاظ ہوں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعینہ منقول بھی ہوں، بلکہ جس عبارت سے بھی صلوٰۃ و سلام
 کے الفاظ ادا کئے جائیں اس حکم کی تعمیل اور درود شریف کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔
 مگر یہ ظاہر ہے کہ جو الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ زیادہ
 بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں، اسی لئے صحابہ کرام نے الفاظ صلوٰۃ آپ کے
 متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔

مسئلہ: قعدہ نماز میں تو قیامت تک الفاظ صلوٰۃ و سلام اُسی طرح کہنا
 مسنون ہے، جس طرح اوپر منقول ہوئے ہیں اور خارج نماز میں جب آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم خود مخاطب ہوں جیسا کہ آپ کے عہد مبارک میں وہاں تو وہی الفاظ اُسْلُوٰۃ
 و اِسْلَامٌ عَلَیْکَ کے اختیار کئے جائیں، آپ کی وفات کے بعد روضہ اقدس کے ساتھ

جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی صیغۃ السلام علیک کا اختیار کرنا مسنون ہے۔ اس کے علاوہ جہاں غائبانہ صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے تو صحابہ و تابعین اور ائمہ امت سے صیغۃ غائب کا استعمال کرنا منقول ہے، مثلاً "صلی اللہ علیہ وسلم" جیسا کہ عام محدثین کی کتابیں اس سے لبریز ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کے مذکورہ جو طریقہ صلوٰۃ و سلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک طبعی کی حکمت اور آپ کے عمل سے ثابت ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب مسلمان آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کریں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم آپ کی تعظیم و تکریم کا حق خود ادا کریں، مگر طریقہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعظیم و اطاعت پورا ادا کرنا ہمارے کسی کے بس میں نہیں، اس لئے ہم پر یہ لازم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں (روح)

صلوٰۃ و سلام کے احکام نماز کے قعدہ اخیرہ میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مذکورہ تو سب کے نزدیک ہے، امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک واجب ہو جس کے ترک سے نماز واجب اعادہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اسے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپ کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رَغِمَ آفَتُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عَنْهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ، یعنی دلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (قال الترمذی حدیث حسن دروہ ابن اسنی! سنا وجید)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے اَنْ يَكْبِتَ مَنْ ذُكِرْتُ عَنْهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ "یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ: اگر ایک مجلس میں آپ کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لیکن صحیح یہ ہو کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ کا ذکر کر سکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسول ہے، جس میں ہر وقت بار بار آپ کا

ذکر آتا ہے تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود و سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انھوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس بحر صلوٰۃ و سلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے، حضرات محدثین ہمیں صلوٰۃ و سلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ: جس طرح زبان سے ذکر مبارک کے وقت زبانی صلوٰۃ و سلام واجب ہے اسی طرح قلم سے لکھنے کے وقت صلوٰۃ و سلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے، اور اس میں جو لوگ حروف کا اختصار کر کے "صلعم" لکھ دیتے ہیں یہ کافی نہیں، پورا صلوٰۃ و سلام لکھنا چاہئے۔

مسئلہ: ذکر مبارک کے وقت افضل و اعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں۔ شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ فرمایا ہے۔ ابن حجر ہیثمیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے، جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو صحیح کرتے ہیں، اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفا کر لیتے ہیں۔

مسئلہ: لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ امام بیہقیؒ نے اپنے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے: لَا يَقْضِي عَلَى أَحَدٍ إِلَّا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْكِنْ دِينَ عَنِ الْتَسْلِيمِ وَالْتَسْلِيمَاتِ بِالْإِسْتِخْفَارِ

امام شافعیؒ کے نزدیک غیر نبی کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال مستقلاً مکروہ ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے، البتہ تبعاً جائز ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ آل و اصحاب یا تمام مؤمنین کو شریک کر کے اس میں مصافقہ نہیں۔

اور امام جوینیؒ نے فرمایا کہ جو حکم لفظ صلوٰۃ کا ہے وہی لفظ سلام کا بھی ہے کہ غیر نبی کے لئے اس کا استعمال درست نہیں، بجز اس کے کہ کسی کو خطاب کرنے کے وقت بطور تحیہ کے السلام علیکم کہے، یہ جائز و مسنون ہے۔ مگر کسی غائب کے نام کے ساتھ

تعلیم اسلام کہنا اور لکھنا غیر نبی کے لئے درست نہیں (خصوصاً نص کبریٰ میں ۱۶۱) علامہ لسانی نے فرمایا کہ قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ محققین علماء امت اس طرف متوجہ ہیں اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے، اور اسی کو امام مالک، سفیان اور بہت سے فقہاء و مکتبین نے اختیار کیا ہے کہ صلوٰۃ و تسلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے لئے مخصوص ہے غیر نبی کے لئے جائز نہیں، جیسے لفظ سبحانہ اور تعالیٰ، اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے۔ انبیاء کے سوا عام مسلمانوں کے لئے مغفرت اور رخصت دعا ہو نا چاہیے، جیسے قرآن میں حضرات صحابہ کے متعلق آیا رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوا عَنْہُ (روح المعانی) صلوٰۃ و سلام کے احکام کی مفصل بحث احقر کے رسالہ تنقیح الکلام فی احکام الصلوٰۃ و السلام میں جو جز بان عربی احکام القرآن سورۃ احزاب کا جز ہوا کر شائع ہو چکا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا وَلَا تَتَرَفُّوا عَلَيْهِمْ
مَرْدُونَ ۝

جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو اذیت پہنکائے اللہ نے دنیا میں اور
الآخرت میں اور تیار رکھا جو ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔ اور جو لوگ ہمت نکالتے ہیں مسلمان
المؤمنین و المؤمنات پر بغیہ کر کے اور ان پر فخر و تعالیٰ انہوں نے
مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے تو اٹھایا انہوں نے بوجھ

بُھٹانا و اٹھانا مبینا ۵۸

بھوٹے کا اور مزع گناہ کا

خلاصہ تفسیر

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (قصداً) اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور (اسی طرح) جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو جس سے وہ متوجہ نہ ہوں (ایذا پہنچانے پر) تو وہ لوگ بہتان اور مزع گناہ کار ہیں (یعنی اگر وہ اذیت دہی ہے تو بہتان ہے اور اگر نفی ہے تو ظلم و گناہ ہے)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر تنبیہ کی گئی تھی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف پہنچتی تھی، مگر کچھ مسلمان ناواقفیت یا بے توجہی کی وجہ سے بلا قصد ایذا اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، جیسا کہ آپ کے بیوت میں بلا دعوت چلے جانا یا دعوت کے وقت کچھ بہت پہلے آکر بیٹھ جانا یا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں باہمی بات چیت میں مشغول ہو کر دیر لگانا وغیرہ جن پر آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُدْعِيََكُمْ إِلَيْهَا میں تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ وہ ایذا ہے جو بلا قصد دارادہ غفلت سے پہنچ جاتی تھی، اس پر تو صرف تنبیہ کر دینا کافی سمجھا گیا۔ مذکورہ صدر و آیتوں میں اس ایذا و تکلیف کا ذکر ہے جو مخالفین اسلام کفار و منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچانی جاتی تھی۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر میں یہاں قصداً کا لفظ بڑھایا ہے، جس میں جسمانی ایذا میں بھی داخل ہیں، جو مختلف اوقات میں کفار کے ہاتھوں آپ کو پہنچتی ہیں اور روحانی ایذا میں بھی جو آپ پر طعن و تشنیع اور ازدواج مطہرات پر بہتان تراشی کے ذریعہ پہنچاتی گئیں۔ اس بالا راہ ایذا پہنچانے پر لعنت اور عذاب شدید کی وعید بھی آیت مذکورہ میں آتی ہے۔

اس آیت کے شروع میں جو یہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں اس میں ایذا پہنچانے سے مراد وہ افعال و اقوال ہیں جو عادتاً ایذا کا سبب بنا کرتے ہیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی ذات پاک ہر تاثر و انفعال سے بالاتر ہے کسی کی مجال ہی نہیں کہ اس تک کوئی تکلیف پہنچا سکے، لیکن ایسے افعال جن سے عادتاً ایذا پہنچا کرتی ہے ان کو ایذا اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اس میں ائمہ تفسیر کا اختلاف ہے کہ یہاں پر اللہ کو ایذا دینے سے کیا مراد ہے؟ بعض ائمہ تفسیر نے ان افعال و اقوال کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہیں، مثلاً حوادث و مصائب کے وقت زمانہ کو بُرا کہنا کہ درحقیقت فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے، یہ لوگ زمانہ کو فاعل سمجھ کر کھالیاں دیتے تھے تو درحقیقت وہ فاعل حقیقی تک پہنچتے تھے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جان دار چیزوں کی تصویریں بنانا اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہے۔ تو آیت میں اللہ کو ایذا دینے سے مراد یہ اقوال یا افعال ہوئے اور دوسرے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایذا سے روکنا اور اس پر وعید کرنا مقصود ہے۔ مگر آیت میں ایذا پر رسول کو ایذا پہنچنے سے
کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا، کیونکہ آپ کو ایذا پہنچانا اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ایذا پہنچانا
ہے جیسا کہ حدیث میں آگے آتا ہے۔ اور قرآن کے سیاق و سباق سے بھی ترجیح اس دوسرے
قول کی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ پہلے بھی ایذا پر رسول کا بیان تھا اور آگے بھی اسی کا بیان
آ رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا اللہ تعالیٰ کے لئے ایذا ہونا حضرت
عبدالرحمن بن نوفل مزی بنی کا روایت سے ثابت ہے کہ:-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّ اللَّهُ اللَّهُ فِي أَهْلِي
لَا تَسْخِجُوا وَهُمْ عَرَضًا مِنْ
بَعْضِ بَنِي قُصَيٍّ أَحَبَّهُمْ قَبِيحِي
أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ
فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ
أَذْهَبَهُمْ فَقَدْ أَذَى إِلَيَّ وَمَنْ
أَذَى إِلَيَّ فَقَدْ أَذَى اللَّهُ وَمَنْ
أَفْعَلَهُ يُوَدِّعُ أَنْ يَأْخُذَ
(ترمذی)

اس حدیث سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا سے اللہ تعالیٰ
کی ایذا ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو ایذا پہنچانا یا ان کی
شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں، بعض یہ کہ یہ حضرت صدیق
عائشہؓ پر بہتان لگانے کے متعلق نازل ہوئی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت
ہو کہ جس زمانہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ پر بہتان باندھا گیا تو عبد اللہ بن ابی منافق کے
گھر میں کچھ لوگ جمع ہوئے اور اس بہتان کو کھیلانے چلنا کرنے کی باتیں کرتے تھے۔
اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس کی شکایت فرمائی کہ یہ شخص
مجھے ایذا پہنچاتا ہے (منظری)

بعض روایات میں ہو کہ حضرت صفیہؓ سے نکاح کے وقت کچھ منافقین نے طلحہ
کیا اس کے متعلق نازل ہوئی۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت ہر ایسے معاملہ کے متعلق

نازل ہوئی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے اس میں صدیقہ عائشہؓ
پر بہتان بھی داخل ہے اور حضرت صفیہؓ اور زینبؓ کے نکاحوں پر طعن و تشنیع بھی شامل
دوسرے صحابہ کرام کو ہر گھنا اور ان پر تبرک کرنا بھی داخل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو | جس شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی
کسی طرح کی ایذا پہنچانا کفر ہو | ایذا پہنچانے، آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالنے
خواہ صراحہ ہو یا گنایت وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت
دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی (کذا قال القاضي شامہ اللہ فی التفسیر المنطری)

دوسری آیت میں عام مؤمنین کو ایذا پہنچانے کے حرام اور بہتان عظیم نہ کو بیان
ہے جبکہ وہ شرعاً اس کے مستحق نہ ہوں۔ عام مؤمنین میں یہ قید اس لئے لگائی کہ ان میں
دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس کے بدلے
میں اس کو ایذا دینا شرعاً جائز ہے، اور پہلی آیت میں چونکہ معاملہ اللہ و رسول کی ایذا
کا تھا اس میں کوئی قید نہیں لگائی اس لئے کہ وہاں جائز ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی | مذکورہ آیت میں اَلَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ (الذی) بھٹاتا
دیکھ پہنچانا حرام ہو | عظیم گناہ سے کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذا
اور دیکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا ہے:-

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ
مِنْ تَسْلِيهِ وَبَيْنَهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
مِنْ اَمْنِهِ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ
وَأَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ الْقُرْمَنِيُّ
آبِیْ هُرَيْرَةَ (منظری)

”مسلمان تو صرف وہ آدمی ہے جس کے
ہاتھ اور زبان سے سب مسلمان محفوظ ہوں
کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور دوسروں تو
صرف وہی ہو جس سے لوگ اپنے خون و
مال کے معاملہ میں محفوظ و مامون ہوں“

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَنْتُمْ وَأَجَلِكُمْ وَبَيْنِكُمْ وَالْمُؤْمِنِينَ
اِسْمُ نَبِيٍّ كَبُرَ اِسْمُ ابْنِي عَوْرَتِي كُو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو
دِينِيْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ جَلَالِ بَيْتِيْنَ لَكَ اَدْنَى اَنْ يَحْصَوْا
بچے لکھالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس میں بہت قریب ہو کہ چھائی پڑیں تو

فَلَا يُؤْذِنَنَّ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا ۝ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ

کوئی ان کو دستا سے، اور ہر اللہ بخشنے والا ہرمان۔ البتہ اگر باز نہ آئے

الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي

منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور جھوٹی خبریں اڑانے والے

الْمَسَلِّينَ لَتُغَرِّبَنَّ بِكَ نَفْسُكَ ثُمَّ لَا يَجِدُوكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝

مدینہ میں تو تم لگا دیں گے مجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہیں تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں

مَالَهُمْ نِيْلٌ ۝ أَيْسَمَا يَقِفُوا أَخَذُوا وَقِيلُوا اتَّقِيتُمْ ۝ سُنَّهَ اللَّهِ

پیشکاش ہوئی، جہاں پاسے گئے پڑے گئے، اور مانے گئے جان سے۔ دستور اہو ابی اللہ کا

فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

ان لوگوں جو پہلے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی حیل بدلتی۔

خلاصہ تفسیر

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (میرے) بچی کر لیا کریں اپنے (چہرے کے) اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزاد نہ دی جایا کریں گی (یعنی کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپا لیا جائے جیسا کہ سورۃ نور کے ختم کے قریب غُیُورٌ مُتَّبِعِينَ جُنَّتْ بِزِينَةٍ میں اس کی تفسیر روایت سے گزر چکی ہے، چونکہ کمینزوں کے لئے سر فی نَفْسِہِ داخل ستر نہیں، اور چہرہ کھولنے میں ان کو آزاد عورتوں سے زیادہ رخصت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں لگی رہتی ہیں، اس لئے کام کاج کے لئے ان کو باہر نکلنے اور چہرہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے، بخلاف آزاد عورتوں کے کہ وہ اتنی مجبور نہیں، اور چونکہ ابوباش لوگ آزاد عورتوں کو چھیڑنے کی ہمت ان کی خاندانی وجاہت و محتاج کی وجہ سے نہ کرتے تھے، کمینزوں کو چھیڑتے تھے، بعض اوقات کمینزوں کے دھوکے میں آزاد عورتوں کو بھی چھیڑنے لگتے تھے، اس لئے اس آیت نے آزاد عورتوں کو کمینزوں سے ممتاز کرنے کے لئے بھی اور اس لئے بھی کہ سر اور گردن وغیرہ ان کا ستر میں داخل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج و نبات اور عام مسلمانوں کی بیبیوں کو یہ حکم دیا کہ

بہی پادریں ستر ہو کر نکلیں جس کو سر سے کچھ نیچے چہرے پر لٹکالیا کریں جس کو اردو میں گھونگٹ کرنا کہتے ہیں۔ اس حکم سے پردہ شرعی کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور بہت سہولت کے ساتھ ابوباش اور شریر لوگوں سے حفاظت بھی۔ رہ گئیں غیر حائر یعنی کمینز سوان کی حفاظت کا انتظام اگلی آیت میں آئے گا، اور اس چہرہ کے اور سر کے ڈھانکنے میں اگر کوئی کمی یا بے احتیاطی بلا قصد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہرمان ہے (اس کو معاف کر دے گا) آگے ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو کمینزوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان لوگوں کو بھی جو ایک دوسری شرارت کے مرتکب تھے کہ مسلمانوں کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر ان کو پریشان کرنا چاہتے تھے (فرمایا) یہ (خاص اصل) منافقین اور عام منافقین میں سے، وہ لوگ جن کے دلوں میں (شہوت پرستی کی) خرابی ہے (جس کی وجہ سے کمینزوں کو چھیڑنے اور پریشان کرنے میں) (انہی منافقین میں) وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی) اور پریشان کرنے والی (افواہیں) اڑایا کرتے ہیں (یہ لوگ) اگر (اپنی) ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ضرور (ایک نہ ایک دن) ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے (یعنی ان کے مدینہ سے اخراج کا حکم کر دیں گے) پھر اس حکم کے بعد یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے (وہ بھی ہر طرف سے) پیشکارے ہوئے (یعنی مدینہ سے نکل جانے کا سامان کرنے کے لئے جو کچھ قلیل مدت معین کی جائے گی اس مدت میں تو یہ یہاں رہ لیں گے اور اس مدت میں بھی ہر طرف سے ذلیل و خوار ہوں گے، پھر نکال دیں جائیں گے اور نکالنے کے بعد بھی کہیں امن نہ ہوگا بلکہ) جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی (وجہ یہ کہ ان منافقین کے کفر کا مقصد تو یہی تھا، لیکن اتفاق کی آڑ میں ان کو پناہ ملی ہے جب علی الاعلان ایسی مخالفتیں کرنے لگیں گے، تو وہ مانع اٹھ گیا اس لئے ان کے ساتھ بھی کفر کے اصل اقتضاء کے موافق معاملہ ہوگا کہ ان کا اخراج اور قید و قفل سب جائز ہے، اور اگر خروج کے لئے کچھ مدت معین ہو جائے تو اس مدت کے اندر بوجہ معاملہ کے مامون ہوں گے، اس کے بعد جہاں ملیں گے عہد ختم ہو جانے کی بنا پر ان کے قتل و قید کی اجازت ہوگی۔ منافقین کو جو یہ دھمکی دی گئی اس میں کمینزوں کو چھیڑنے کا بھی انتظام کیا اور دوسری شرارت افواہیں پھیلائے کا بھی انسداد ہو گیا۔

مطلب آیت کا یہ ہو گیا کہ اگر یہ لوگ علی الاعلان مخالفت احکام اور مسلمانوں کے خلاف حرکتوں سے باز آگئے تو اپنی درپردہ منافقانہ چالوں میں گھر رہیں۔ تو یہ سزا جاری نہ ہوگی، ورنہ پھر عام کفار کے حکم میں داخل ہو کر سزاوار سزا ہو جائیں گے، اور فساد و شورش پر سزا جاری کرنا کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی

اپنا ہی دستور جاری رکھا ہو جو ان سے پہلے ہو گا رے پس رکہ ان کو آسانی سنائیں یا انبیاء کے ہاتھ سے چہرے کے ذریعہ سنائیں دلائی ہیں، پس اگر پہلے ایسا نہ ہو چکا تو ایسی سزا میں کچھ استبعاد ہو سکتا تھا، اور اب تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے رد و بدل نہ پائیں گے کہ خدا تو کوئی حکم جاری کرنا چاہا اور کوئی اس کو رد نہ سکے، لفظ سنتہ اللہ میں تو اس کا اظہار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے پہلے کوئی کام نہیں کر سکتا، اور ذلک بخیر لیسۃ اللہ شہیداً، میں یہ بتا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرمائیں تو کوئی اس کو رد نہ کر سکتا۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کو ایذا پہنچانے کا حرام اور گناہ کبیرہ ہونا اور خصوصاً سیدہ المؤمنین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا کفر موجب لعنت ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے مذکورہ کی ایذا میں سب مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتی تھیں، آیات مذکورہ میں ان ایذاؤں کے السداد کا انتظام ہو، اور اس کے ضمن میں عورتوں کے پردے کے کچھ مزید احکام کا بیان ایک مناسبت سے کیا ہے جو آگے معلوم ہو جائے گی۔ ان دونوں ایذاؤں میں ایک یہ تھی کہ منافقین کے عوام اور آوارہ قسم کے لوگ مسلمانوں کی باندیوں کینیزوں کو جب وہ کام کاج کے لئے باہر نکلتیں چھیڑا کرتے تھے، اور کبھی کینیزوں کے شبہ میں حرائر کوستانے تھے، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی تھی۔

دوسری ایذا یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے تھے کہ اب فلاں غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کر دے گا۔ آیات مذکورہ میں پہلی ایذا سے حرائر آزاد بیبیوں کو بچانے کا فوری اور سہل انتظام یہ ہو سکتا تھا کہ ان کو یہ لوگ ان کے خاندان کی وجاہت اور حمایت کی وجہ سے بالقصد چھیڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے، کبھی کینیزوں کے شبہ میں یہ بھی ان کی چھیڑ چھاڑ کی رد میں آجاتی تھیں، اگر ان کی پہچان ہو جاتی تو یہ نوبت نہ آتی، اس لئے ضرورت پیش آئی کہ حرائر کا کوئی خاص امتیاز ہو جائے تاکہ کسی کے ساتھ خود بخود ہی کم از کم حرائر تو ان شریروں کے فساد سے فوری طور پر محفوظ ہو جائیں اور کینیزوں کا دوسرا انتظام کیا جائے۔

دوسری طرف شریعت اسلام نے حرائر اور کینیزوں کے پردہ شرعی میں بصورت

ایک فرق بھی رکھا ہے کہ کینیزوں کا شرعی پردہ وہ ہو جو حرائر کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہو کہ شہا چہرہ وغیرہ کھولنا جو حرائر کے لئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، کینیزوں کے لئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہو جس میں ان کو باہر بھی بار بار نکلنا پڑتا ہے، اور چہرہ اور ہاتھ مستور رکھنا مشکل ہوتا ہے، بخلاف حرائر کے کہ ان کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی کبھی ہو گا جس میں پردے پر دے کی رعایت مشکل نہیں، اس لئے حرائر کو یہ حکم دیدیا گیا کہ وہ لمبی چادر جس میں مستور ہو کر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکالیا کریں تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہو گیا، اور باندیوں کینیزوں سے امتیاز خاص بھی ہو گیا، جس کے سبب وہ شریر لوگوں کی چھیڑ چھاڑ سے خود بخود مامون ہو گئیں۔ اور کینیزوں کی حفاظت کا انتظام ان منافقین کو سزا کی وجہ سے لٹکالیا گیا کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے جی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے۔

آیت مذکورہ میں حرور (آزاد) عورتوں کے پردہ کے لئے یہ حکم ہوا ہے کہ یُنِیْنِ عَلَیْہُنَّ مِنْ جَلَابِیْہِیْنَ، اس میں یُنِیْنِ، اذنائے مشتق ہے، جس کے لفظی معنی قریب کرنے کے ہیں اور لفظ عَلَیْہُنَّ کے معنی اپنے اوپر اور جَلَابِیْہِیْنَ جمع جَلَباب کی جو ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے، اس چادر کی ہیئت کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ چادر بے جود و بٹہ کے اوپر اوڑھی جاتی ہے (ابن کثیر) اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی ہیئت یہ بیان فرمائی ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سر پر اوپر سے یہ چادر لٹکا کر چروں کو چھپا لیں اور صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی رکھیں۔“	أَمَرَ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ فِیْ حَاجَۃٍ اَنْ یَّغْطِیْنَ وُجُوْھَهُنَّ مِنْ قُوْبٍ رَّحْمَۃً مِّنْ رَّبِّہِمْۚ وَیُحِیْطَنَّ بِمَا لَیْسَ بِہُنَّ مِنْ شَیْءٍۭ
--	--

اور امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانیؓ سے اس آیت کا مطلب اور جلاباب کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے سر کے اوپر سے چادر... چہرہ پر لٹکا کر چہرہ چھپالیا، اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اذنا و جلاباب کی تفسیر عملاً بیان فرمائی۔

سر کے اوپر سے چہرہ پر چادر لٹکانا جو حضرت ابن عباسؓ اور عبیدہ سلمانیؓ کے بیان میں آیا ہے یہ لفظ غائبین کی تفسیر ہے کہ اپنے اوپر چادر کو قریب کرنے کا مطلب چادر کو سر کے اوپر سے چہرہ پر لٹکانا ہے۔

اس آیت نے بصراحت چہرہ کے چھپانے کا حکم دیا ہے جس سے اس مضمون کی مکمل تائید ہوگئی جو اور پر حجاب کی پہلی آیت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکا ہے، کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اگرچہ فہم ستر میں داخل نہیں مگر بوجہ خوف و فتنہ کے ان کا چھپانا بھی مندرجہ ہے، صریح مجبوری کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

تنبیہ ضروری

اس آیت میں متحدہ عورتوں کو ایک خاص طرح کے پردہ کی ہدایت فرمائی کہ چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرے کو چھپالیں، تاکہ عام کینیزوں سے ان کا امتیاز ہو جائے اور یہ شریر لوگوں کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں۔ مذکورہ الصدر بیان میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام نے عصمت و عفت کی حفاظت میں حرائر اور کینیزوں کے درمیان کوئی فشرق کر دیا کہ حرائر کی حفاظت کرائی، کینیزوں کو چھوڑ دیا، بلکہ درحقیقت یہ فرق ادب و باش شریر لوگوں نے خود کر رکھا تھا، کہ حرائر پر دست اندازی کی توجرات و ہمت نہیں کرتے تھے، مگر امام یعنی کینیزوں کو چھیڑتے تھے، شریعت اسلام نے ان کے اختیار کردہ اس فرق سے یہ فائدہ اٹھایا کہ عورتوں کی اکثریت تو خود راہنی کے مسئلہ عمل کے ذریعہ — خود بخود محفوظ ہو جائے، باقی رہا کینیزوں کا معاملہ سو ان کی عصمت کی حفاظت بھی اسلام میں ایسی ہی فرض ضروری ہے جیسی حرائر کی۔ مگر اس کے لئے قانونی تشدد اختیار کئے بغیر چارہ نہیں، تو اچھی آیت میں اس کا قانون ہلادیا کہ جو لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئیں گے ان کو کسی طرح معاف نہ کیا جائے گا، بلکہ جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے، اور قتل کر دیئے جائیں گے اس نے کینیزوں کی عصمت کو بھی حرائر کی طرح محفوظ کر دیا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ ابن حزم وغیرہ نے جو مذکورہ شبہ سے بچنے کے لئے
 آیت کی تفسیر جمہور علماء سے مختلف کرنے کی تاویل کی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ شبہ
 قوجب ہوتا جبکہ کنیزوں کی حفاظت کا انتظام نہ کیا گیا ہو۔

جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد آیت مذکورہ میں منافقین کی دو شرائطوں کا ذکر کر کے اٹکے ہو جائے اس کی مزا قتل ہے باز دآنے کی صورت میں جس سزا کا ذکر کیا گیا ہے کہ مَأْخُذِينَ أَيْتَمَاءُ وَفُؤَاءُ لَلِأَعْيُنِ، یعنی یہ لوگ جہاں رہیں گے لعنت

اور چند کاران کے ساتھ ہوگی، اور جہاں ملیں گے گرفتار کئے جائیں گے اور قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ سزا عام کفار کی نہیں، بے شمار نصوص قرآن و سنت اس پر شاہد ہیں کہ عام کفار کے لئے شریعت اسلام میں یہ قانون نہیں ہے، بلکہ قانون یہ ہے کہ اول ان کو دعوت اسلام دی جائے، ان کے شبہات و در کر کے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تالاب ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور ابرو کی حفاظت مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے، ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید و قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاح شرع میں مرتد کہلاتا ہے، اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پیچھے ہٹ جائے، اور احکام اسلام کو قولا و عملاً تسلیم کر لے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور صحابہ کرام کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے۔ مسئلہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ و جہاد اور مسئلہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت و دستور قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائط میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔ مذکورہ صدر خلاصہ تفسیر میں ان سزاؤں کو عام کفار کے ضابطہ میں لانے کے لئے جو توجیہ کی گئی ہے اس تقریر سے اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ :-

چند مسائل

(۱) عورتوں کو جب کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنا پڑے تو لمبی چادر سے تمام بدن چھپا کر نکلیں، اور اس چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرہ بھی چھپا کر چلیں، مروجہ برقع بھی اس کے قائم مقام ہے۔

(۲) مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جن سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔

يَسْأَلُ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِكُهُ إِلَّا جَنَّةُ لَدُنَّهِ يَوْمَ لَا خَافُ فِيهَا كُفْرًا وَلَا نُكْرًا ۚ

يَذَرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٨﴾ اِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنِ
جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو۔ بے شک اللہ نے پھٹکار دیا کفریوں کو

وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٩﴾ خَلِدِينَ فِيهَا اَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا
اور رکھی ہو ان کے واسطے دہکتی آگ۔ راہ کریں اس میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی

وَلَا نَصِيرًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ
اور نہ مددگار۔ جس دن اُوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں کہیں گے

يَلَيْسَتْ نَارُ اللَّهِ وَاَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿٧١﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا
کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔ اور کہیں گے اے رب ہم نے

اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُتِبَ عَلَيْنَا فَاَصْلَحْنَا السَّبِيلَ ﴿٧٢﴾ رَبَّنَا اِرْهِمْنَا
کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انھوں نے چکا دیا ہم کو راہ سے۔ اے رب ان کو دے

ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنُومُ لَعَنَّا كَثِيرًا ﴿٧٣﴾
دوڑنا عذاب اور پھٹکار ان کو بڑی پھٹکار۔

خلاصہ تفسیر

یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق (منکرانہ) سوال کرتے ہیں کہ کب ہوگی
آپ (ان کے جواب میں) فرمادیجئے کہ اس (کے وقت) کی خبریں اللہ ہی کے پاس ہے، اور
آپ کو کیا خبر کہ کب ہے، البتہ اجماعاً ان لوگوں کو جان رکھنا چاہئے کہ عجب نہیں کہ قیامت
ابھی واقع ہو جائے دیکو کہ جب کوئی وقت معین نہیں تو قریب زمانے میں اس کے واقع
ہو جانے کا بھی احتمال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جس کا مقتضائے یہ تھا کہ یہ لوگ انجام سے
ڈرتے اور اس کی تیاری میں لگتے، منکرانہ سوالات اور استہزاء سے بچتے۔

اور قیامت کو قریب فرمانے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قیامت ہر روز قریب ہی
ہوتی جا رہی ہے، اور جو چیز سامنے سے آ رہی ہو اس کو قریب ہی سمجھنا دانشمندی ہے۔ اور
اس لحاظ سے بھی قیامت کو قریب کہا جاسکتا ہے کہ قیامت کے ہولناک واقعات اور اشتداد
کے پیش نظر یہ ساری دنیا کی عمر بھی قلیل نظر آئے گی، اور ہزاروں سال کی یہ مدت چند روز

کی برابر محسوس ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے، اور ان کے
لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، (اور) نہ کوئی یار پائیں گے
اور نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ میں آ لٹ پلٹ کئے جائیں گے (یعنی چہروں کے
بل گھسیٹے جائیں گے کبھی چہرے کی اس کروٹ پر کبھی دوسری کروٹ پر) اور اس وقت غایت
حسرت سے، یوں کہیں گے اے کاش! ہم نے (دنیا میں) اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے
رسول کی اطاعت کی ہوتی (تو کج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے) اور (حسرت کے ساتھ اپنے
گمراہ کرنے والوں پر غصہ آئے گا تو) یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں کا،
(یعنی اہل حکومت کا) اور اپنے بڑوں کا (جن میں کسی دوسری وجہ سے یہ صفت پائی جاتی تھی کہ انکی
بات ماننا اور اتباع کرنا ہمارے ذمے ضروری تھا) کہنا مانا تھا سوا انھوں نے ہم کو (سیدھے)
دستہ سے گمراہ کیا تھا اے ہمارے رب ان کو دوسری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے رب
ایسا مضمون ہے جیسا سورۃ اعراف کے چوتھے رکوع میں پہلے آچکا ہے، رَبَّنَا هَؤُلَاءِ اَعْدَاؤُنَا
فَاَقْتُلْهُمْ وَعَذِّبْ اَبَا ضَعْفَانَ النَّارِ، جس کا جواب اسی آیت میں یہ بیان فرمایا ہے لِكُلِّ ضَعْفٍ

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں لعنت
و عذاب کی وعید سنائی گئی تھی، اور کفار کے بہت سے فرقے خود قیامت اور آخرت ہی کے
منکر تھے اور انکار کی وجہ سے بطور استہزاء کے پوچھا کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی؟
آخر سورۃ میں ان کا جواب مذکورہ آیات میں دیا گیا ہے جن کی تفسیر اور آج بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَبَائِهِ

اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنھوں نے ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب کھلایا

اللَّهُ وَمِمَّا قَالُوا وَلَوْ كَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اس کو اللہ نے ان کے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا۔ اے ایمان والو

آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ

ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی، کہ سنو اور سنو تمھارے واسطے

أَعْمَا لَكُمْ وَيَعْقِرْكُمْ ذُو بَكْمٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

تمھارے کام اور بخش دے تم کو تمھارے غناہ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول

فَقَدْ قَارَ فَوْسًا عَظِيمًا ۝

کے اس نے پائی بڑی مراد -

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے دیکھ کر تہمت تراش کر موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تھی سو ان کو خدا تعالیٰ نے بری ثابت کر دیا اس چیز سے جو وہ کہتے تھے (یعنی ان کو نوکھ نقصان دیں) تہمت لگانے والے ہی کذاب اور مستحق سزا ٹھہرے اور وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اللہ کے نزدیک بڑے معزز پیغمبر تھے (اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی برائت ظاہر فرمادی جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے اس طرح کی تہمتوں سے برائت عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم رسول کی مخالفت کر کے ان کو ایذا نہ دینا کیونکہ ان کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے، ورنہ اس کے نتیجہ میں تم خود اپنا ہی نقصان کرو گے اس لئے ہر کام میں اللہ و رسول کی اطاعت کرنا جس کا حکم آگے آتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (یعنی ہر امر میں اس کی اطاعت کرو) اور بالخصوص کلام کرنے میں اس کی بہت رعایت رکھو کہ جب بات کرو، راستی کی بات کہو (جس میں عدل و اعتدال سے تجاوز نہ ہو) اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمھارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمھارے غناہ معاف کر دے گا دیکھ ان اعمال کی برکت سے کچھ توبہ کی برکت سے جو تقویٰ اور قہرِ شدید میں داخل ہے اور (یہ عزرات اطاعت کے ہیں اور اطاعت الہی چیز ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی کو پہونچے گا۔

معارف و مسائل

اس سے پہلی آیات میں اللہ و رسول کی ایذا کا مہلک اور خطرناک ہونا بیان کیا گیا تھا اس آیت میں خاص طور سے مسلمانوں کو اللہ و رسول کی مخالفت سے بچنے کی ہدایت ہے کیونکہ یہ مخالفت ان کی ایذا کا سبب ہے۔

پہلی آیت میں ایک واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جس میں ان کی قوم نے ان کو ایذا پہنچائی تھی ذکر کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔ اس کے نتیجہ میں ضروری

نہیں کہ مسلمانوں سے کوئی ایسا کام سرزد ہوا ہو بلکہ حفظِ مآقت کے طور پر ان کو یہ قصہ سن کر ہدایت کی گئی ہے۔ اور ایک روایت میں جو قصہ بعض صحابہ کا منقول ہے اس کا محمل بھی یہی ہے کہ ان کو اس وقت اس طرف توجہ نہ ہوئی ہوگی کہ یہ کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا موجب ہے، بالقصد ایذا پہونچانے کا کسی صحابی سے امکان نہیں، جتنے قصے بالقصد ایذا کے ہیں وہ سب منافقین کے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر بیان فرمادی ہے جس کو امام بخاری نے کتاب التفسیر اور کتاب الانبیاء میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیا کرنے والے اور اپنے بدن کو چھپانے والے تھے، ان کے بدن کو کوئی نہ دیکھتا تھا، جب غسل کی ضرورت ہوتی تو پردہ کے اندر غسل کرتے تھے، ان کی قوم بنی اسرائیل میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ مرد سب کے سامنے ننگے ہو کر نہلتے تھے، تو بعض بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کسی کے سامنے نہیں نہلاتے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے، یا تو برص یا خصیتین بہت بڑھ چکے ہیں، یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس طرح کے عیوب سے برائت کا اظہار فرمادیں۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے خلوت میں غسل کرنے کے لئے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، جب غسل سے فانی ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہا تو یہ پتھر (بحکم خداوندی حرکت میں آگیا) اور کپڑے لے کر بھاگنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاشیٰ اٹھا پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے تو بنی حجاز حجازی حجازی، یعنی اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے، مگر پتھر چلتا رہا یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، اس وقت بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو سر سے پاؤں تک نہنگا دیکھا تو بہترین صحیح و سالم بدن دیکھا (جس میں ان کا منسوب کیا ہوا کوئی عیب نہ تھا) اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برائت ان عیوب سے سب کے سامنے ظاہر فرمادی۔ پتھر یہاں پہونچ کر ٹھہر گیا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو لاشیٰ سے مارنا شروع کیا۔ خدا کی قسم! اس پتھر میں موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے تین یا چار پانچ اثر قائم ہو گئے۔

یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ یعنی آیت مذکورہ کا لُزِیْنُ اَوْ اَمُوسِی کا، آیت مذکورہ میں

موسیٰ علیہ السلام کی جس ایذا کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس قصہ میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ بعض صحابہ کرام سے ایذا موسیٰ علیہ السلام کا ایک قصہ اور بھی مشہور ہے وہ بھی اس کے ساتھ ضرور ملتی ہے مگر تفسیر آیت وہی رائج ہے جو مرفوع حدیث میں موجود ہے۔
 وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا یعنی تھے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک صاحبِ جہت اللہ کے نزدیک کسی کی وجاہت اور جاہ کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائیں اس کی خواہش کو رد نہ کریں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مستجاب الدعوات ہونا قرآن میں ان واقعات کی روش سے ثابت ہو جن میں انہوں نے کسی چیز کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قبول فرمایا ان میں سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام کو پیغمبر بنانے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ان کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک رسالت بنا دیا حالانکہ منصب نبوت کسی کو کسی کی سفارش پر نہیں دیا جاتا (ابن کثیر)

عَادَةُ اللَّهِ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو اس واقعہ میں قوم کے عیب لگا کر اس سے برائت کا حق نہ ملے ایسے جہانی عیوب سے بھی بری رہا اور موسیٰ علیہ السلام اضطرابِ لوگوں کے سامنے نکلے آئے یہ اہتمام اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے انبیاء کے اجسام کو بھی قابلِ نفرت و تحقیر عیوب سے عموماً پاک اور بری رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث بخاری سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء سب کے سب عالی نسب میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ عرفا جس نسب اور خاندان کو لوگ حقیر سمجھتے ہوں اس کی بات سننے ماننے کے لئے تیار ہونا مشکل ہے۔ اسی طرح تالیخ انبیاء میں کسی پیغمبر کا نابینا، بہرا، گونگا یا اتھ پائوں سے معذور ہونا ثابت نہیں، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ وہ بحکمت خداوندی ایک خاص ابتلاء و امتحان کے لئے چند روزہ تکلیف تھی پھر ختم کر دی گئی۔ واللہ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اس میں تقویٰ کو آسان کرنے کے لئے ایسے لوگوں کی صحبت و مجالست کی تلقین فرمائی جو بات کے سچے ہو اور عمل کے بھی سچے ہوں جن کا حاصل ولی اللہ ہونا ہے۔ اور دوسری آیت میں اتَّقُوا اللَّهَ کے ساتھ وَتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدْ تَلَّيْنِ بَرَّهَا دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو

زبان کی اصلاح باقی سب اعضاء و اعمال کی اصلاح میں مؤثر و رافع ہو اس آیت میں اصل حکم سب لمافون کو یہ دیا گیا کہ اتَّقُوا اللَّهَ یعنی تقویٰ اختیار کرو جس کی حقیقت تمام احکامِ الہیہ کی مکمل اطاعت ہے کہ تمام اداوار کی تعمیل کرے اور تمام منہیات و مکروہات سے اجتناب کرے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام انسان کے لئے آسان نہیں، اس لئے اتَّقُوا اللَّهَ کے بعد ایک خاص عمل کی ہدایت دی یعنی اپنے کلام کی درستی اور اصلاح۔ یہ بھی اگرچہ تقویٰ کا ہی ایک جزو ہے مگر ایسا جزو ہے کہ اس پر قابو پایا جائے تو باقی اجزاء تقویٰ خود بخود حاصل ہوتے چلے جاتیں گے جیسا کہ خود آیت مذکورہ میں قول سدید اختیار کرنے کے نتیجہ میں یُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ کا وعدہ ہے یعنی اگر تم نے اپنی زبان کو غلطی سے روک لیا، اور کلام درست اور بات سیدھی کہنے کے خواہو گئے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی اصلاح فرمائیں گے، اور سب کو درست کر دیں گے۔ اور آخر آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ یعنی جن شخص نے اپنی زبان پر قابو پایا، راست گوئی اور سیدھی بات کا عادی بن گیا، اللہ تعالیٰ اس کے باقی اعمال کی بھی اصلاح فرمادیں گے اور جو غصہ شیئ اس سے ہوئی ہیں انکو معاف فرمادیں گے۔

قرآن کریم کے عام اسلوب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کوئی تہمیل یا محال اہتمام حکم ایسا دیا گیا جس کی تعمیل میں کچھ مشقت و دشواری ہو تو ساتھ ہی اس کے آسان کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا گیا ہے۔ اور چونکہ سالے دین کا خلاصہ تقویٰ ہے اور اس میں پورا ارتقا بڑی مشقت ہو، اس لئے عموماً جہاں اتَّقُوا اللَّهَ کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے پہلے یا بعد ہی کوئی ایک عمل ایسا بتلادیا ہے جس کے اختیار کرنے سے تقویٰ کے باقی ارکان پر عمل منجانب اللہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ اسی کی ایک نظیر اس آیت میں اتَّقُوا اللَّهَ کے بعد قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا کی تلقین ہے، اور اس سے پہلے آیت میں اتَّقُوا اللَّهَ سے پہلے وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَدْعُوا لِلْغَيْرِ مُبَسِّئِينَ فرمایا کہ تقویٰ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کو ایذا دینا ہے اسے چھوڑ دو تو تقویٰ آسان ہو جائے گا۔

ایک آیت میں ارشاد فرمایا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ، اس میں تقویٰ کو آسان کرنے کے لئے ایسے لوگوں کی صحبت و مجالست کی تلقین فرمائی جو بات کے سچے ہو اور عمل کے بھی سچے ہوں جن کا حاصل ولی اللہ ہونا ہے۔ اور دوسری آیت میں اتَّقُوا اللَّهَ کے ساتھ وَتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدْ تَلَّيْنِ بَرَّهَا دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو

اس کی فکر چاہئے کہ اس نے مکمل یعنی روز محشر کے لئے کیا سامان بھیجا ہے؟ جس کا خلاصہ فکر آخرت ہو، اور یہ فکر تقویٰ کے تمام ارکان کو آسان کر دینے والی چیز ہے۔

زبان و کلام کی درستی دینا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دونوں کے کام درست کرنیوالی پر ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو سیدھی بات کا عادی ہونے پر اصلاح اعمال کا وعدہ ہے وہ صرف دینی اعمال ہی نہیں، بلکہ دنیا کے سب کام بھی اس میں داخل ہیں، جو شخص قول سید کا عادی ہو جائے یعنی کبھی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے جو خطا و لغزش سے پاک ہو، کسی کو فریب نہ دے، دل خراش بات نہ کرے، اس کے اعمال آخرت بھی درست ہو جائیں گے، اور دنیا کے کام بھی بن جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے کہ (کہو بات سیدھی کہ سنو اور دے تم کو تمھارے کام)۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ
ہم نے دکھائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو

فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ
پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھایا اس کو انسان نے

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝۱۳۱ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ
یہ ہے بڑا بے ترس ناواں، تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو

وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ
اور عورتوں کو اور شرک کرنے والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۳۲
المؤمنین و المؤمنات و کان اللہ مغفوراً رحیماً

ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو، اور جو اللہ بخشنے والا مہربان

خلاصہ تفسیر

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو منزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے رو برو اپنے احکام اور بصورت ماننے کے اس پر انعام و اکرام اور بصورت نہ ماننے کے

اس پر تعذیب و آلام پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا۔ اور حاصل اس پیش کرنے کا یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے موافق عمل کرنے کی صورت میں تم کو ثواب ملے گا اور خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا، اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہ بننا جواز ہے، اور ثواب و عذاب کے بھی مستحق نہ ہو گے، تم کو دونوں اختیار ہیں، کہ اس کو نہ لینے سے نا فرمان نہ ہو گے جس قدر ان کو شعور تھا وہ اجمالاً اس قدر مضمون سمجھ لینے کے لئے کافی تھا، چونکہ ان کو اختیار بھی دیا گیا تھا، سو انھوں نے (خوف و عذاب کے سبب احتمال ثواب سے بھی دست برداری کی اور) اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس

کی ذمہ داری سے ڈر گئے کہ خدا جانے کیا انجام ہو، اور اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو مثل انسان کے ان کو بھی عقل عطا کی جاتی، جو تفصیل احکام و منوبات و عقوبات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہو، چونکہ اس کو نہیں منظور کیا، اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ غرض انھوں نے تو غور کر دیا، اور (جب ان سموات و ارض و جبال کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہ بات پوچھی گئی تو) انسان نے (بوجہ اس کے کہ علم آگئی میں اس کا خلیفہ ہونا مقدر تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا (غالبا اُس وقت تک اس میں بھی اتنا ہی ضرورت کے قدر شعور تھا)

اور غالباً یہ پیش کرنا اخذ میثاق سے مقدم ہے، اور وہ میثاق اسی حمل امانت کی فرع ہے، اور اس میثاق کے وقت اس میں عقل عطا کی گئی ہوگی، اور یہ کسی خاص انسان سے مثل آدم علیہ السلام کے نہیں پوچھا گیا، بلکہ مثل اخذ میثاق کے یہ عرض بھی عام ہوگا اور التزام بھی عام تھا۔ پس سموات و ارض و جبال مکلف نہ ہوئے اور یہ مکلف بنا دیا گیا۔ آیت میں اس کا یاد دلانا غالباً اسی حکمت سے ہے جیسا کہ میثاق یاد دلایا، یعنی ان احکام کا تم نے از خود التزام کیا ہے تو پھر نباہنا چاہئے۔ اور چونکہ مکلف جن بھی ہے اس لئے غالباً وہ

عرض اور حمل میں شریک ہی، مگر تخصیص ذکر انسان کی صرف اس لئے ہے کہ اس مقام میں کلام اسی سے ہو رہا ہے، پھر اس التزام کے بعد انسان کی حالت باعتبار اکثر افراد کے یہ ہوئی کہ وہ (انسان عملیات میں) ظالم ہے (اور عملیات میں) جاہل ہے (یعنی دونوں امر میں اعمال میں بھی اور عقائد میں بھی خلاف ورزی کرتا ہے) یہ تو حالت باعتبار اکثر افراد کے ہے، باقی مجموعہ کے اعتبار سے اس ذمہ داری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات کو (کہ یہ لوگ احکام کے ضائع کرنے والے ہیں) سزا دے گا اور مؤمنین و مؤمنات پر توبہ (اور رحمت) فرمائے گا اور (بعد مخالفت بھی اگر کوئی باز آجائے) تو پھر اس کو بھی مؤمنین و مؤمنات کے زمرہ میں شامل کر لیا جائیگا

کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

معارف و مسائل

اس پوری سورۃ میں تعظیم و تکریم رسولؐ اور ان کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے آخر سورۃ میں اس اطاعت کا مقام بلند اور اس کا درجہ بتلایا گیا ہے، اس میں اللہ و رسول کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی وجہ آگے آجائے گی۔ امانت سے کیا مراد ہے | اس جگہ لفظ امانت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین وغیرہم کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ فرائض شرعیہ، حفاظت عفت، امانات اموال، غسل جنابت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ، اسی لئے جہوز ہفتہ میں نے فرمایا ہے کہ دین کے تمام وظائف و اعمال اس میں داخل ہیں (قرطبی)۔

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ شریعت کی تمام تکلیفات امر و نہی کا مجموعہ امانت ہے، ابوحنیفہ نے بحر محیط میں فرمایا:-

”یعنی ہر وہ چیز جس میں انسان پر عبادت کیا جاتا ہے یعنی امر و نہی اور ہر حال جس کا دین یا دنیا سے تعلق ہو اور شریعت پوری کی پوری امانت پر ہی ہو کہ قول و کردار“

الْفَايِضُ أَتَمَّ كُلِّ مَأْمُورٍ مَسْنُونٍ
عَلَيْهِ مِنْ أَمْرٍ وَ نَهْيٍ وَ مَنَاقِبٍ
دِينِيَّةٍ وَ دُنْيَاوِ الشَّرْعِ كُلِّهِ أَمَانَةٌ
وَهُوَ أَتَمُّ الْوَلِيِّ الْجَمْعُ وَ

خلاصہ یہ ہے کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف و مامور ہونا ہے، جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلافت و رزق یا کو نامی پر جہنم کا عذاب موعود ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانت سے مراد احکام اکہیہ کا بار اٹھانے کی صلاحیت و استعداد ہے جو عقل و شعور کے خاص درجہ پر موقوف ہے، اور ترقی و ترقی و ترقی و ترقی اس خاص استعداد پر موقوف ہے جن اجناس مخلوقات میں یہ استعداد نہیں ہے وہ اپنی جگہ کتنا ہی اونچا اعلیٰ مقام رکھتے ہوں مگر وہ اس مقام سے ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے آسمان زمین وغیرہ میں یہاں تک کہ فرشتوں میں بھی ترقی نہیں جس کا جو مقام قرب ہے بس وہی ہے، ان کا حال یہ مَآثِرًا لَا لَكَ مَقَامٌ مَعْلُومٌ۔ ”یعنی ہم میں سے کوئی نہیں جو اس کا ایک معین مقام ہے“ امانت کے اس مفہوم میں تمام روایات حدیث جو امانت کے متعلق آئی ہیں مربوط و مطابقت میں جاتی ہیں، جہوز مفسرین کے اقوال بھی اس میں تقریباً متفق ہو جاتے ہیں۔ صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سلب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نفوذ ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکھا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر درم با چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جزو نہیں رہا) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (امانت اور آدمی کا ایسا لحاظ ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانت دار ہے۔

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جن کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت و استعداد رکھنا اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہیں حاصل ہو جائیں تو دنیا کی اور کوئی چیز تمہیں حاصل نہ ہو تو کوئی افسوس کی بات نہیں، (وہ چار چیزیں یہ ہیں):-

امانت کی حفاظت، بات کی سچائی، حسن خلق اور لقمہ حلال۔ (از ابن کثیر) عرض امانت کی تحقیق | آیت مذکورہ میں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے، کہ ہم اس کا حق ادا نہ کر سکیں گے، اور انسان نے یہ بوجھ اٹھا لیا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہو کہ آسمان، زمین، پہاڑ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم و شعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دیا جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل کے فرمایا قَدْ أَفْرَضْنَا هَذِهِ الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّنْزِلَ إِلَيْكَ خَاشِعًا مَتَضَعًا عَاتِقِ تَحْشِيَةِ اللَّهِ، ”یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اللہ کے خوف سے“ کہ اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقت پہاڑ پر اتارا ہو۔ ان حضرات نے

آیت اِنَّا عَرَضْنَا لَكَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ خِيَرَةً لَّكَ اسی طرح کی تمثیل و مجاز قرار دیدیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہو وہاں تو شرکان کریم نے حرفِ کفر کے ساتھ بیان کر کے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کر دیا ہے، اور آیت اِنَّا غَرَضْنَاٰمِنْ اَیْکَ وَاقِعًا کَاشِفًا ہے، جس کو مجاز و تمثیل پر حل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔ اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس و بے شعور ہیں، ان سے جواب سوال نہیں ہو سکتا، تو یہ شرکان کی دوسری تصریحات سے مردود ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے، اِنَّ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا قَسْبُحُوْهُ ۝۱ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد و تہلیل نہ پڑھتی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سبھا سنانا اور اس کو خالق و مالک افرار سب کے اعلیٰ و برتر جان کر اس کی تسبیح کرنا بغیر ادراک و شعور کے ممکن نہیں۔ اس لئے اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک و شعور تمام مخلوقات میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہو۔ اسی ادراک و شعور کی بنا پر ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں۔ جواب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، الفاظ و حروف کے ذریعہ بھی، ہو سکتے ہیں، اور اس میں عقلی مہنت نہ لگے کہ اللہ تعالیٰ ان جمادات، آسمان، زمین اور پہاڑوں کو لطف و گویائی عطا فرمادیں۔ اس لئے جمہور ائمہ کے نزدیک آسمان، زمین اور پہاڑوں پر عرض امانت حقیقی طور پر کیا گیا اور انہوں نے حقیقی طور پر ہی اپنا اس بار سے عاجز ہونا ظاہر کیا، اس میں کوئی تمثیل یا مجاز نہیں۔

عض امانت اختیاری تھا رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے آسمان زمین وغیرہ پر اس جبری نہیں امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کو بحال انکار کیسے ہوئی، حکم الہی سے روگردانی کی تھی تو ان کو نیست و نابود ہو جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ آسمان زمین کا ملبع اور تابع فرمان ہونا قرآن کریم کی آیت اَقْبَلْ طَائِفَتَيْنِ سے بھی ثابت ہے یعنی جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ (ہماری حکم کی تعمیل کے لئے) آ جاؤ خواہ اپنی خوشی یا زبردستی سے تو دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہم تعمیل حکم کے لئے خوشی سے حاضر ہیں جواب یہ ہو کہ آیت مذکورہ میں ان کو ایک حاکمانہ پابندی کا حکم دیدیا گیا تھا جس میں یہ بھی کہہ دیدیا گیا تھا کہ تم اس حکم پر دل سے راضی ہو یا نہ ہو مہر حال یہ حکم ماننا پڑے گا بخلاف اس آیت عرض امانت کے کہ اس میں امانت کو پیش کر کے ان کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ قبول کر س یا نہ کریں۔

ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ و تابعین ابن عباسؓ میں سے کسی

مجاہد وغیرہ سے عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر اختیار صوری صورت میں یہ پیش کیا کہ ہماری امانت (یعنی طاعت احکام) کا بار اٹھانا اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لئے معسر رہے۔ ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہو تو بتلایا گیا کہ امانت (یعنی طاعت احکام) تمہارے پوری طرح کی تو تمہیں جزاء و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا اور اگر تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب و سزا ملے گی۔ ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان حل رہے ہیں، لیکن جب ہمیں اختیار دیا گیا تو ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب کے تحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آسمان زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گیا تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے۔ آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پڑے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی، (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی۔ آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھالیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گذر سکا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرضِ امانت کا واقعہ | ابھی جو روایت حضرت ابن عباسؓ کی اوپر گزری ہے اس سے معلوم
 کس زمانے میں ہوا؟ | ہوتا ہے کہ یہ عرضِ امانت آسمان، زمین وغیرہ پر تخلیقِ آدم سے پہلے
 ہوا تھا، پھر جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو ان کے سامنے یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ
 کہ آپ سے پہلے آسمان زمین پر بھی یہ امانت پیش کی جا چکی ہے، جس کی ان کو طاقت نہ تھی،
 اس لئے عذر کر دیا۔

اور نظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ میثاقِ ازل یعنی عہدِ است سے پہلے کا ہو سکتا ہے۔
عہدِ است پر ہیجہ اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہو۔

